رانی کیتکی کی کہانی

مصنّف

انشاءاللّٰہ خاں انشاؔ

مقدّمہ

ڈاکٹر شریف احمد قریشی

رانی کیتکی کی کہانی

مصنّف

انشاء اللہ خاں انشاؔ

مقدّمہ

ڈاکٹر شریف احمد قریشی

© Dr. SHAREEF AHMAD QURAISHI
جملہ حقوق بحقِ ناشر محفوظ

کتاب کا نام : رانی کیتکی کی کہانی
ناشر : ڈاکٹر شریف احمد قریشی
سابق صدر، شعبۂ اُردو،
گورنمنٹ رضا پوسٹ گریجویٹ کالج، رام پور، 244901
آبائی پتہ : محلّہ شیو پوری، صدر بازار، گھاٹم پور، ضلع کان پور 209206
مستقل پتہ : جین مندر اِسٹریٹ، پھوٹا محل، رام پور، 244901
سالِ اشاعت : 2017
تعدادِ اشاعت : 1000
قیمت : 75 روپے

مطبوعہ
اسلامک ونڈرس بیورو
۲۶۶۰-کوچہ چیلان، دریا گنج، نئی دہلی (الہند)
: 011-23263996, 09350334143
e-mail : razaprintology@gmail.com

تقسیم کار
1. راعی بک ڈپو، 734، اولڈ کٹرا، الٰہ آباد، 211002 : 9839902690
2. کوہِ نور پُستک سدن، عیدگاہ گیٹ، رام پور، 244901 : 9359920211
3. ڈاکٹر ناصر پرویز، بازار ترپولیہ، امروہہ، 244221 : 9837011424

RANI KETKI KI KAHANI
Writer : INSHA-ALLAH KHAN INSHA
Preface : Dr. SHAREEF AHMAD QURAISHI
IInd Edition : 2017 Pages : 64 Price : Rs. 75
: 7078702997, 7906937665
e-mail : drquraishi@rediffmail.com

فہرست

تاثرات	5
رانی کیتکی کی کہانی: ایک جائزہ	7
کہانی کا خلاصہ	13
رانی کیتکی کی کہانی کے کردار	15
رانی کیتکی	17
کُنور اُدَے بھان	21
مدن بان	23
انشاء کی دیگر نثری تصانیف	27
رانی کیتکی کی کہانی: ہندوستانی تہذیب و معاشرت کی عکّاس	28
رانی کیتکی کی کہانی کی لفظیات	32
متن	35

تاثرات

نثری کارناموں میں انشاؔ کی دو تصانیف شاہکار کا مرتبہ رکھتی ہیں۔ 'رانی کیتکی کی کہانی' اور 'دریاے لطافت'..... 'رانی کیتکی کی کہانی' ایک طبع زاد قصہ ہے۔ یہ جس دَور کی تصنیف ہے وہ آغازِ داستان گوئی کا دَور ہے۔ اگر ایک طرف بڑی بڑی ضخیم وجسیم داستانیں لکھی گئیں بلکہ اکثر عربی، فارسی یا بعض دیسی بولیوں سے ترجمہ کی گئیں تو دوسری طرف فسانۂ عجائب اور باغ و بہار جیسے مختصر قصہ وجود میں آئے۔ انشاؔ کی یہ کہانی طلسم ہوش ربا اور الف لیلیٰ جیسی طویل داستانوں میں شمار ہو سکتی ہے اور نہ باغ و بہار اور فسانۂ عجائب جیسی مختصر داستانوں میں۔ اسے داستان اور افسانہ کے بیچ کی کڑی کہنا چاہئے۔ ناول بعد کے دَور کی پیداوار ہے، مختصر افسانہ اس کے بھی بعد کی۔ ناول بھی اپنی ضخامت کے اعتبار سے متوسط داستانوں سے کم طویل نہیں ہوتے بلکہ کچھ زیادہ ہی ہوتے ہیں۔ رانی کیتکی کی کہانی ان دونوں اصناف کے درمیان کی چیز ہے۔ اسے طویل مختصر افسانہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ اگر چہ اصطلاحاً طویل مختصر افسانہ بھی بعد کی پیداوار اور مغرب کی دین ہے۔

یہ کہانی انشاؔ کی طبّاعی اور جودتِ ذہن کی عجیب وغریب مثال ہے۔ اس کی ضخامت بمشکل پچاس صفحے ہے ..... اس کا ڈول داستانوں جیسا ہے۔ اگر چہ اس میں داستانوں جیسی پیچیدگی اور قصہ در قصہ کا انداز نہیں ہے، ایک سیدھی سادی کہانی ہے۔

پلاٹ معمولی، قصہ میں کوئی جدّت ہے نہ دل کشی۔ اس کی ساری عظمت اور اہمیت زبان و بیان میں ہے۔ یہ سادہ زبان و بیان اس سے پہلے اُردو میں نایاب ہے۔ ہندی میں بھی اس سے قبل کوئی ایسی چیز نہیں ملتی۔ فارسی اور کسی باہری بولی کی پُٹ نہ ہونے کے سبب ہندی والوں نے رانی کیتکی کو ہندی کہانی میں اوّلین مقام دیا ہے۔ انشاؔ ہندی کے پہلے چار آچاریوں (عالموں) میں شمار ہوتے ہیں۔ ان عالموں میں دو، پنڈت للّو لال اور سدِل مشر کا تعلّق فورٹ ولیم کالج سے ہے۔ تیسرے منشی سدا سُکھ لال نیازؔ پریاگ میں تھے اور انشاؔ لکھنؤ میں۔ تحقیق سے ثابت ہے کہ انشاؔ ان چاروں میں پہلے عالم ہیں جنہوں نے طبع زاد کہانی پر قلم اُٹھایا۔

(انشاء اللہ خاں انشاؔ: عابد پیشاوری، اُتر پردیش اُردو اکادمی لکھنؤ، 1985، صفحہ 433-434)

رانی کیتکی کی کہانی۔ ایک جائزہ

سید انشاء اللہ خاں انشاؔ کی نثری تصانیف میں ''رانی کیتکی اور کنور اُودے بھان کی کہانی'' المعروف ''رانی کیتکی کی کہانی'' کو شاہکار کا مرتبہ حاصل ہے۔ یہ کہانی تاریخی اور لسانی دونوں اعتبار سے اہمیت کی حامل ہے۔ رانی کیتکی کی کہانی داستان گوئی کے عہد آغاز میں لکھی گئی۔ اس عہد میں اور اس عہد کے بعد بھی اردو کی متعدد طبع زاد داستانیں قلم بند کی گئیں اور دوسری زبانوں سے اردو میں ترجمہ ہوئیں۔ ان میں سے بیشتر داستانیں نہایت ضخیم ہیں، البتہ کچھ مختصر داستانیں بھی وجود میں آئیں۔ جن کی ضخامت محض ضخیم افسانہ، مختصر ناول یا ناولٹ کے برابر ہیں۔ ایسی مختصر داستانوں میں میر امّن کی باغ و بہار، رجب علی بیگ سرور کی فسانۂ عجائب، احمد حسین قمر کی طلسم تاریخ، محمد حسین جاہ کی طلسم فصاحت فخر الدین حسین دہلوی کی سروسِ سخن اور میر مہدی حسین مجروح کی حکایت عشق انگیز و محبت ولولہ خیز وغیرہ کے نام لئے جاسکتے ہیں، لیکن رانی کیتکی کی کہانی اور حکایت عشق انگیز و محبت ولولہ خیز کا شمار مختصر ترین داستانوں میں کیا جاسکتا ہے کیوں کہ یہ داستانیں دیگر مختصر داستانوں کے مقابلے میں نہایت مختصر ہیں۔ ان دونوں داستانوں کی ضخامت عام کتابی سائز کے تقریباً پچاس صفحات کو محیط ہے۔ رانی کیتکی کی کہانی کے اختصار کی خاص وجہ اس کی زبان ہے کیوں کہ انشاء اللہ خاں انشاء نے یہ کہانی صرف اس مقصد سے لکھی ہے کہ اس میں ہندوی یعنی اردو کے علاوہ کسی دوسری زبان کے الفاظ کی شمولیت نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ جب دوسری زبانوں کے الفاظ سے اجتناب برتا جائے گا تو لفظیات کا خزانہ بھی محدود ہو جائے گا اور اسی محدود لفظیات کے سبب فن پارے میں وسعت یا پھیلاؤ کے بجائے اختصار اور جامعیت کا ہونا ناگزیر ہے۔

انشاء اللہ خاں انشاء کے مطابق ایک روز ان کے ذہن میں اچانک یہ خیال آیا کہ ایک کہانی ایسی بھی لکھی جائے جس میں ہندوی (ہندوستانی، ہندی یا اردو) کے علاوہ کسی دوسری زبان یعنی عربی، فارسی، پشتو، ترکی وغیرہ کے الفاظ کی شمولیت نہ ہو اور وہ گنواری زبان یا بولی

(برج بھاشا وغیرہ) سے بھی پاک وصاف ہو۔ جس کا اظہار انہوں نے کہانی کے آغاز میں کیا ہے:

''ایک دن بیٹھے بیٹھے یہ بات اپنے دھیان میں چڑھی، کوئی کہانی ایسی کہیے جس میں ہندوی چھٹ اور کسی بولی کی پُٹ نہ ملے۔ تب جا کے میرا جی پھول کی کلی کے روپ میں کھیلے۔ باہر کی بولی اور گنواری کچھ اس کے بیچ نہ ہو۔''

رانی کیتکی کی کہانی کی ابتدائی تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ جب انشاء نے غیر مخلوط زبان میں کہانی لکھنے کا اظہار اپنے چند احباب سے کیا تو اُن میں سے کسی بُزرگ نے ان سے بطورِ طنز کہا کہ اس طرح کی کہانی لکھنا کوئی آسان کام نہیں۔ یہ کام تو ہوتا دکھائی نہیں دیتا کہ اس میں دوسری زبانوں کے الفاظ بھی نہ آنے پائیں اور بھاکا پنا بھی نہ رہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس سعیٔ لاحاصل میں ''ہندوی پَن'' یعنی ہندوستانی یا اردو کا اپنا مخصوص لب ولہجہ اور آہنگ بھی برقرار نہ رہے اور گنواری بولی یا بھاکا پنا بھی ٹھس جائے۔ انشاء کو ان بزرگ کے یہ طنزیہ جملے نہایت ناگوار خاطر ہوئے۔ وہ تلملا کر رہ گئے اور انہوں نے مصمم عہد کر لیا کہ وہ اس طرح کی کہانی لکھ کر ہی دَم لیں گے۔ جس کا اظہار انہوں نے مندرجہ الفاظ میں کیا ہے:

''اپنے ملنے والوں میں سے ایک کوئی بڑے پڑھے لکھے، پُرانے دُھرانے، ڈاگ، بوڑھے گھاگ، یہ کھڑاگ لائے۔ سر ہلا کر، منہ تھتھا کر، ناک بھوں چڑھا کر، آنکھیں پھرا کر کہنے لگے۔ یہ بات ہوتی دکھائی نہیں دیتی۔ ہندی پَن بھی نہ نکلے اور بھاکا پنا بھی نہ ٹھس جائے۔ جیسے بھلے لوگ، اچھوں سے اچھے آپس میں بولتے چالتے ہیں، جیوں کا تیوں سب وہی ڈول رہے اور چھاؤں کسی کی نہ دبے، یہ نہیں ہونے کا۔''

مگر انشاء اللہ خاں انشاء اُن بزرگ کی بات سے نہ تو مایوس ہوئے اور نہ مرعوب بلکہ اپنے دعوے کو سچ کر دکھانے کے لئے انہوں نے اُن بُزرگ سے کہا: وہ ایسے بَڑ بولے یا ڈینگئے نہیں ہیں جو واہی تباہی بکتے رہیں۔ وہ جو کچھ کہتے ہیں اسے کر کے دکھا دیتے ہیں اور وہ جس کام کو کر نہیں سکتے اس کے کرنے کا کبھی دعویٰ نہیں کرتے۔ ملاحظہ فرمائیں انشاء کے الفاظ میں انشاء کا جواب:

''میں نے ان کی ٹھنڈی سانس کی پھانس، کا ٹھوکا، جھوکا کھا کر جھنجھلا کر کہا:
میں کچھ ایسا بڑبولا نہیں، جو رائی کو پَربت کر دکھاؤں اور جھوٹ سچ بول کر اُنگلیاں نچاؤں اور بے پیرے بے ٹھکانے کی الجھی سلجھی باتیں سلجھاؤں۔ جو مجھ سے نہ

ہو سکتا، تو بھلا یہ بات منہ سے کیوں نکالتا؟ جس ڈھب سے ہوتا اس بکھیڑے کو ٹالتا۔"

غرض جو بات اُن بزرگ کے نزدیک ناممکن تھی یا ہوئی نہیں دکھائی دے رہی تھی، رانی کیتکی کی کہانی لکھ کر انشاء اللہ خاں انشاء نے اسے کر دکھایا اور اُن بزرگ کو "بڑے پڑھے لکھے" کہہ کر کرارا جواب بھی دے دیا یعنی اگر وہ پڑھے لکھے یا زبان داں ہوتے یا زبان دانی سے واقف ہوتے تو اس قسم کی بات نہ کرتے۔ غور طلب ہے کہ "بڑے پڑھے لکھے" طنزیہ جملہ ہے جس میں لفظ "بڑے" کا استعمال بطورِ طنز کیا گیا ہے۔ جس کے معنی ہیں "یوں ہی سے" یا "معمولی" اور "بڑے پڑھے لکھے" فقرے سے مراد معمولی تعلیم یافتہ یا یوں ہی سے پڑھے لکھے ہیں۔

انشاء اللہ خاں انشاء اگر دوسری زبانوں کے الفاظ استعمال نہ کرنے کی پابندی اپنے اوپر عائد نہ کرتے تو یہ داستان اس قدر مختصر نہ ہوتی۔ وہ بھی دیگر داستان نویسوں کی طرح اس داستان میں بھی ایک قصے سے دوسرا اور دوسرے قصے سے تیسرا یعنی قصہ در قصہ کہے جانے کے انداز کو اختیار کرتے۔ دوسری زبانوں کے الفاظ سے اجتناب برتنے کے سبب انہیں محدود لفظیات ہی میں داستان لکھنا پڑی اور یہی اس کے اختصار کی سب سے بڑی اور اہم وجہ بھی ہے۔ انشاء کی یہ طبع زاد کہانی ان کی جودت طبع اور ذہانت کا بے مثل کارنامہ ہے۔ ہندوی زبان میں تحریر کئے جانے کے سبب ہندی زبان کے ادیب و دانشور اس کہانی کو ہندی کی اولین کہانیوں میں شمار کرتے ہیں۔ بقول عابد پیشاوری:

> "اس التزام نے کہانی کی ضخامت کو بڑھنے نہیں دیا ورنہ اس کا ڈول داستانوں جیسا ہے۔ اگرچہ اس میں داستانوں جیسی پیچیدگی اور قصہ در قصہ کا انداز نہیں ہے۔ ایک سیدھی سادی کہانی ہے۔ پلاٹ معمولی، قصہ میں کوئی جدت ہے نہ دل کشی۔ اس کی ساری عظمت اور اہمیت زبان و بیان میں ہے۔ یہ سادہ زبان و بیان اس سے پہلے اردو میں نایاب ہے۔ ہندی میں بھی اس سے قبل کوئی ایسی چیز نہیں ملتی۔ فارسی اور کسی باہری بولی کی پُٹ نہ ہونے کے سبب ہندی والوں نے رانی کیتکی کو ہندی کہانی میں اولین مقام دیا ہے۔ انشاء ہندی کے پہلے چار آچاریوں (عالموں) میں شمار ہوتے ہیں۔ ان عالموں میں دو، پنڈت للّو لال اور سَدِل مشر کا تعلق فورٹ ولیم کالج سے ہے۔ تیسرے منشی سدا سکھ لال نیاز پریاگ میں تھے اور انشاء لکھنؤ

میں ۔ تحقیق سے ثابت ہے کہ انشاء ان چاروں میں پہلے عالم ہیں جنہوں نے طبع زاد کہانی پر قلم اُٹھایا۔"

(انشاءاللہ خاں انشاؔ ص ۴۳۴، ۱۹۸۵ء)

اسی خیال کو ڈاکٹر اسلم پرویز نے اپنی کتاب انشاء اللہ خاں انشاء عہد اور فن میں اس طرح رقم کیا ہے:

"انشاء نے جو کہانی (رانی کیتکی کی کہانی) لکھی اسے ہندی اور اردو والے دونوں اپنا قدیم سرمایہ سمجھتے ہیں۔ انشاء نے جس انوکھی بات کا "ڈول ڈالا" اسے انتہائی کامیابی سے پورا کر دکھایا۔ باوجود اس کے کہ یہ کہانی اردو زبان میں ہے لیکن بقولِ انشاء اس میں ایک لفظ عربی یا فارسی کا نہیں آیا ہے۔ اس کے باوجود کہانی مطلب اور مقصد کے اعتبار سے مکمل اور بامعنی ہے۔ زبان سادہ شیریں اور سہل ہے۔ کہانی میں دیباچہ، پیش لفظ، پلاٹ، کردار، مکالمے، گیت سب کچھ ہیں۔ کہیں کہیں عبارت مسجع اور مقفہ بھی ہے اور سب سے بڑی خوبی اس کا اختصار ہے۔ یہ کہانی یقیناً ایک ہمہ گیر ہندوستانی زبان کا تصور پیش کرتی ہے۔"

(ص ۱۷۷۔۱۷۶، جولائی ۱۹۴۱ء)

بیرونی زبانوں کے الفاظ سے اجتناب برتنے کے علاوہ زبان کا برمحل استعمال اور مخصوص اندازِ بیان ہی اس کہانی کی اہم خوبی ہے۔ جیسا کہ انشاؔ نے دعویٰ بھی کیا ہے کہ ہندوی چھٹ کسی غیر زبان کا ایک لفظ بھی استعمال نہیں کیا گیا ہے مگر نادانستہ طور پر دوسری زبانوں کے چند الفاظ شاملِ داستان ہو گئے ہیں۔ اگرچہ یہ الفاظ اپنی نوعیت ہیت اور کثرت استعمال کے سبب بظاہر بیرونی یا دوسری زبانوں کے معلوم نہیں ہوتے۔ جیسے بلہ (طبلہ)، ہَر، اے، نہ، (منھ) چنگ، یمن (ایمن)، لتہ، لالٹین، پٹاخے، ستار اور ملولا۔ فارسی میں طبلہ کے معنی ڈبا یا باکس (Box) کے ہیں۔ ہندوستانی زبان میں طبلہ ایک قسم کا باجا ہے جسے امیر خسروؔ کی ایجاد کہا جاتا ہے۔ یہ ایک ڈھولک کے دو ٹکڑے کر کے بنایا گیا تھا۔ چوں کہ طبل اور تبلہ دونوں میں ہیئت اور آواز کے اعتبار سے کافی مماثلت ہے۔ اس لئے اسے طبلہ کہا گیا جسے انشاءاللہ خاں انشاؔ نے ہندی زبان کے پیش نظر طبلہ کے بجائے تبلہ لکھا ہے۔ لتہ ترکی زبان کا لفظ ہے لیکن کثرت استعمال کے سبب یہ لفظ ہندوستانی یا اردو زبان میں اس قدر گھل مل گیا ہے کہ غیر زبان کا لفظ معلوم نہیں ہوتا۔ اس کا استعمال روزمرہ، محاوروں اور کہاوتوں میں بھی کثرت سے کیا جاتا

ہے۔ جیسے کپڑا لتہ، تن پر نہیں لتہ پان کھائیں البتہ، لتے لینا بمعنی دھجیاں اڑانا وغیرہ۔ لالٹین، ستارے، جینور وغیرہ سے متعلق بیشتر ماہر لسانیات و محققین کا خیال ہے کہ مندرجہ بالا الفاظ کاتبوں کی ستم ظریفیوں کا نتیجہ ہیں۔ انشاء اللہ خاں انشاء جنہوں نے خالص ہندوستانی زبان میں داستان لکھنے کا دعویٰ کیا تھا لالٹین، ستارے، اور جینور جیسے الفاظ استعمال نہ کئے ہوں گے۔ برج رتن داس کا خیال ہے کہ اردو میں لالپٹوں اور لالٹینوں کے نقطے ہٹا دیئے جائیں تو دونوں کی شکل ایک جیسی ہو جائے گی جو اس تسامح کا اصل سبب ہے یعنی یہ لفظ لالٹینوں کے بجائے لال پٹوں ہے۔ یہ رنگین کاغذ کی بنی ہوئی کوئی ایسی چیز ہو گی جس میں روشنی جلا کر سجاوٹ کے لئے استعمال کرتے ہوں گے۔

برج رتن داس نے رانی کیتکی کی کہانی میں استعمال شدہ الفاظ ''پسیرن'' اور ''جینور'' بمعنی زیور کو گنوارو بولی کے الفاظ قرار دیئے ہیں۔ ان دونوں الفاظ کے متعلق عابد پیشاوری لکھتے ہیں:

> ''پسیرن'' برج ہے۔ پسیری (پنسیری) کی جمع۔ اردو میں پنسریوں آتا ہے، اور مطبوعہ نسخوں میں یہی ملتا ہے۔ ہندی میں یہ لفظ ''گنواری'' ہو سکتا ہے، اردو میں نہیں..... ''جینور'' بہ ظاہر زیور کی تحریف ہے لیکن یہ لفظ غلط چھپا ہے۔ اسے زیور سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ اصلاً جورے بھورے ہے جو بہو بیگم کے خزانے کا نام تھا۔''

(انشاء اللہ خاں انشاء۔ عابد پیشاوری ص ۴۵۴)

چنگ ایک ایرانی باجے کا نام ہے۔ انشاء اللہ خاں انشاء نے منھ سے بجائے جانے والے باجے کو منھ چنگ لکھا ہے۔ اس طرح اس باجے کے نام کا آخری حصہ ''چنگ'' فارسی زبان کا لفظ ہے۔ یمن کلیان یا ایمن کلیان ایک راگنی کا نام ہے۔ اس راگنی کے نام کا پہلا حصہ ایمن یا یمن بھی ہندوستانی نہیں ہے۔ حالاں کہ گیان چند جین کا خیال ہے کہ ایمن اور یمن سنسکرت سے مشتق ہیں۔ ''سر'' اور ''نہ'' ہندی الفاظ بھی ہیں اور فارسی بھی۔ ہندی والے ''نہ'' کو ''ن'' ( ) لکھتے ہیں۔ انشاء نے اسے ہر جگہ ''نہ'' ہی لکھا ہے۔ ''ملول'' عربی لفظ ہے جسے انشاء نے ملولا بمعنی رنج، حسرت، افسوس اور پاس تحریر کیا ہے۔ رانی کیتکی کی کہانی میں فارسی حرفِ ندا ''اے'' اور کاف بیانیہ ''کہ'' کا استعمال بھی کئی بار کیا گیا ہے۔ یہ الفاظ روزمرہ کی زبان میں اتنے عام اور زبان زد خاص و عام ہیں کہ معمولی چوک سے تحریر و تقریر میں ان کا آنا ناگزیر ہے۔ ڈاکٹر گیان چند جین اپنی کتاب ''اردو کی نثری داستانیں'' میں ایسے الفاظ کے متعلق لکھتے ہیں:

''شاید اس کتاب کے چند الفاظ لوباہر کی بولی قرار دیا جائے۔ مثلاً لتہ، سر، نہ، طبلہ، کیفیت یہ ہے کہ سر اور نہ سے مماثل ہندی الفاظ سر (سنسکرت۔ شیر دش یا شیش سے) اور نا ہیں۔ انشاء کو اُن کے استعمال میں تامل نہ ہو سکتا تھا۔ لتہ اور طبل اصلاً فارسی اور عربی (لتہ ترکی ہے) ہیں لیکن کپڑا لتہ اور طبلہ ہندوستانی ہیں۔ طبلہ امیر خسرو کی ایجاد ہے۔ فارسی یا عربی میں محض ڈبے کے معنی میں ہے۔ جیسے طبلہ عطار۔ باجے کے مفہوم میں طبلہ ہندوستانی لفظ قرار دیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ انشاء نے اسے ''تبلہ'' لکھا ہے۔

(ص ۲۴۲، طبع ثانی)

مندرجہ بالا لسانی تجزیہ سے ظاہر ہے کہ انشاء اللہ خاں انشاء کے دعوے کے خلاف ہندوی یا اردو زبان کے علاوہ دوسری زبانوں کے بعض الفاظ رانی کیتکی کی کہانی کے متن میں شامل ہو گئے ہیں۔ ان میں سے بعض الفاظ اس قدر عام فہم اور زبان زد ہیں کہ بظاہر بدیشی یا غیر زبان کے معلوم نہیں ہوتے اور بعض سہواً در آئے ہیں۔ اور بعض الفاظ نقل در نقل کرنے کے سبب کاتبوں کی ستم ظریفیوں کا نتیجہ ہیں۔ ☆☆☆

کہانی کا خلاصہ

ایک ملک کے راجا سورج بھان کے اکلوتے بیٹے کا نام کنور اُودَے بھان تھا۔ ایک دن کنور اُودَے بھان اپنے ساتھیوں کے ساتھ سیر کرنے اور شکار کھیلنے کی غرض سے نکلا۔ جنگل میں دوڑتے ہوئے ایک ہرن پر اس کی نظر پڑی۔ جس کے پیچھے اس نے اپنا گھوڑا دوڑا دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ اپنے ساتھیوں سے بچھڑ کر ایک نا معلوم جگہ پر پہنچ گیا۔ کچھ دیر کے بعد دن بھی ڈھل گیا اور وہ دن بھر کا تھکا ہارا، بھوکا پیاسا کسی پناہ گاہ کی تلاش میں ادھر اُدھر نظریں دوڑاتا رہا کہ اسے آم کا ایک باغ دکھائی دیا جہاں چالیس پچاس حسین دوشیزائیں جھولا جھول رہی تھیں۔ اُن میں سے ایک راجا جگت پرکاس کی بیٹی ''رانی کیتکی'' ہی تھی جو سب کی سردھری اور سرتاج تھی۔ نظر ملتے ہی کنور اُودَے بھان اور رانی کیتکی ایک دوسرے پر فریفتہ ہوگئے۔ رانی کیتکی کی سہیلی مدن بان نے دونوں کو ایک دوسرے سے باقاعدہ متعارف کرایا۔ بطورِ عہد آپس میں دونوں کی انگوٹھیاں بدلائیں اور اقرار نامے بھی لکھ کر ایک دوسرے کو دلائے۔ صبح ہوتے ہی کیتکی اپنی سہلیوں کے ساتھ اپنے محل میں چلی گئی اور کنور اُودَے بھان اپنے ساتھیوں سے جا ملے۔

رانی کیتکی سے بچھڑ کر کنور اُودے بھان کی حالت روز بروز دگرگوں ہوتی گئی۔ رفتہ رفتہ کنور اُودَے بھان اور رانی کیتکی کے عشق کا ہر طرف چرچا ہونے لگا۔ راجا سورج بھان پہلے تو بہت گھبرائے پھر بیٹے کی خوشی کے لئے انہوں نے ایک برہمن کے ذریعہ اپنے بیٹے کے رشتے کا پیغام کیتکی کے والدین کے یہاں بھجوایا۔ کیتکی کے باپ راجا جگت پرکاس نے اس پیغام کو حقارت سے ٹھکرادیا اور برہمن کو گرفتار کرلیا۔ راجا سورج بھان اس ذلت کو برداشت نہ کر سکا۔ اس نے فوراً جگت پرکاس کے ملک پر حملہ کردیا۔ گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ اسی درمیان کنور اُودَے بھان نے ایک مالن کے ذریعہ رانی کیتکی کو اس غرض سے ایک خط ارسال کیا کہ مہاراجاؤں کی جنگ کی پرواہ کئے بغیر وہ دونوں کسی دوسرے ملک کی طرف چلے جائیں مگر رانی کیتکی نے والدین کی بدنامی کے خوف سے اس مشورہ کو قبول نہیں کیا۔

اپنی شکست کے خوف سے راجا سورج بھان نے اپنے گرو جوگی مہندر گر کو کیلاش پربت سے بلوایا۔ گرو جی اپنے توے لاکھ چیلوں کے ساتھ وہاں آئے اور انہوں نے اپنے

جادو کے زور سے راجا سورج بھان کی پوری فوج، کنور اُودَے بھان اور اس کے باپ کو ہرن اور ماں کو ہرنی کی شکل میں تبدیل کر دیا۔ اس نے راجا جگت پرکاس کو ایک جادوئی بگمبھر اور طلسمی بھبھوت بھی دیا۔ بگمبھر کی خوبی یہ تھی کہ اس کا ایک رونگٹا نکال کر جہاں جلایا جائے گا وہیں گرو جی فوراً حاضر ہو جائیں گے اور اس بھبھوت کو اپنی آنکھوں میں لگانے والا تو سب کو دیکھ سکے گا مگر اسے کوئی بھی نہیں دیکھ سکے گا۔

ایک دن رانی کیتکی نے وہ بھبھوت کسی طرح اپنی ماں سے حاصل کر لیا اور اپنی آنکھوں میں لگا کر کنور اُودے بھان کی تلاش میں گھر سے نکل گئی۔ جب راجا جگت پرکاس کو اس واقعہ کا علم ہوا تو اس نے اپنی بیٹی کو ڈھونڈنے کے لئے مدن بان کو روانہ کیا اور خود بھی اس کی تلاش میں ادھر اُدھر بھٹکنے لگا۔ آخر کار تھک ہار کر اس نے اپنے گرو مہندر گر کو یاد کیا۔ گرو مہندر گر نے آتے ہی اپنے گرو راجا اِندر کی مدد سے رانی کیتکی، کنور اُودَے بھان، اس کے باپ راجا سورج بھان اور ماں لکشمی باس، مدن بان اور تمام فوج کو ڈھونڈھ نکالا اور اپنے جادو کے زور سے ان سب کو ہرن سے اپنی اصلی ہیئت میں تبدیل کر دیا۔ اس کے بعد رانی کیتکی اور کنور اُودَے بھان کی شادی نہایت دھوم دھام سے کی جاتی ہے۔ دونوں راج آپس میں ایک ہو جاتے ہیں اور میل ملاپ کے بعد سبھی لوگ ہنسی خوشی سے زندگی گزارنے لگتے ہیں۔

☆☆☆

رانی کیتکی کی کہانی

کے کردار

رانی کیتکی
کنور اُودَے بھان
راجا جگت پرکاس
رانی کام لتا
راجا سورج بھان
رانی لکشمی باس
مدن بان
جوگی مہندر گر
راجا اِندر
مہندر گر کے ساتھی
مالن

رانی کیتکی کا باپ
رانی کیتکی کی ماں
کنور اُودَے بھان کا باپ
کنور اُودَے بھان کی ماں
رانی کیتکی کی گوئیاں یعنی سہیلی
راجا سورج بھان کا گرو
جوگی مہندر گر کا گرو

یا مَہن

انشاء اللہ خاں انشاؔ نے رانی کیتکی کی کہانی لکھنے میں زبان و بیان پر زیادہ زور دیا ہے۔ وہ اردو زبان کے پہلے ایسے تخلیق کار ہیں جنہوں نے اپنے فن پارے میں ہندوی یعنی اردو کے علاوہ کسی دوسری زبان کے الفاظ سے اجتناب برتا ہے۔ چند لغزشوں کو چھوڑ کر وہ اپنے اس تجربہ میں بڑی حد تک کامیاب بھی ہوئے ہیں۔ انہوں نے دیگر داستانوں کی طرح رانی کیتکی کی کہانی میں نہ تو پوری طرح داستانی فضا قائم کرنے کی کوشش کی ہے اور نہ کردار نگاری و مکالمہ نگاری وغیرہ پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔ یہ داستان نہ تو اصلاحِ

معاشرہ اور پند و نصائح کا مجموعہ ہے اور نہ ہی محیر العقول یا فوق البشری کارناموں کا عجائب خانہ ہے۔ اس داستان کے کردار نہ تو مثالی ہیں اور نہ محیر العقول کارنامے کرتے نظر آتے ہیں۔

جوگی مہندر گر، اس کے ساتھی اور راجا اندر کے علاوہ کہانی کے کسی کردار میں طلسمی یا جادوئی اوصاف نظر نہیں آتے اور نہ کسی کردار سے حیرت انگیز و محیر العقول کارنامہ سرزد ہوتا ہے۔ داستان کے باقی تمام مرکزی اور ضمنی کردار عام انسانوں کی طرح جانے پہچانے ہیں جن میں انسانی فطرت کے مطابق خوبیاں بھی ہیں اور خامیاں بھی۔ اُن کے اطوار و افعال بھی عام انسانوں کے اطوار و افعال سے کسی طرح مختلف نہیں۔ وہ اپنی اہلیت و قابلیت سے کبھی تجاوز نہیں کرتے۔ اگرچہ کہانی لکھتے وقت انشاء کی تمام تر توجہ زبان و بیان پر تھی پھر بھی کہانی کے پلاٹ کے موافق تمام کردار مزاج و خصلت اور حرکت و عمل کے اعتبار سے اپنی منفرد شناخت رکھتے ہیں۔ رانی کیتکی اور کنور اُودے بھان اس کہانی کے مرکزی کردار ہیں۔ رانی کیتکی کی سہیلی مدن بان کا کردار نہایت فعال ہے۔ راجا جگت پرکاس اور راجا سورج بھان کے کردار بھی اہمیت کے حامل ہیں۔ جوگی مہندر گر، اس کے ساتھیوں اور راجا اِندر کے کرداروں کے دم سے اس کہانی کی طلسمی اور داستانی فضا برقرار رہتی ہے۔

☆☆☆

رانی کیتکی

اس کہانی کا مرکزی کردار رانی کیتکی ہے۔ رانی کیتکی راجا جگت پرکاس اور رانی کام لتا کی بیٹی ہے جو خوبصورت بھی ہے اور نوجوان بھی۔ اس کی خاص گوئیاں یا سہیلی کا نام مدن بان ہے۔ قاری رانی کیتکی سے پہلی بار اس وقت متعارف ہوتا ہے جب وہ اپنی چالیس پچاس سہلیوں کے ساتھ ایک باغ میں ساون گیت گا گا کر جھولا جھول رہی ہے اور کنور اُودے بھان ایک ہرن کا پیچھا کرتے کرتے راستہ بھٹک کر اسی باغ میں جا پہنچتا ہے۔ اچانک ایک اجنبی شخص کو اپنے سامنے دیکھ کر وہ اور اس کی سہلیاں ٹھٹک کر رہ جاتی ہیں۔ پھر کچھ حوصلہ پاکر، کچھ لجاتے ہوئے رانی کیتکی اس سے پوچھتی ہے کہ تو کون ہے اور ہمارے درمیان اس طرح بے دھڑک کیوں چلا آیا؟ تجھے یہ بھی نہیں سوجھی کہ یہاں لڑکیاں جھولا جھول رہی ہیں۔ تو جس طرح یہاں آیا ہے اسی طرح الٹے پاؤں یہاں سے واپس چلا جا اسی درمیان اُن دونوں کی آنکھیں چار ہوتی ہیں اور وہ دونوں ایک دوسرے پر فریفتہ ہو جاتے ہیں۔ کنور اُودے بھان جب اپنی مشکلات اور حالات سے مجبور ہو کر باغ میں آپہنچنے کا سبب بیان کرنے کے ساتھ معذرت چاہتا ہے تو رانی کیتکی اپنی سہیلیوں کو مخاطب کر کے کہتی ہے:

> ''نہ جی: بولیاں ٹھولیاں نہ مارو۔ ان کو کہہ دو، جہاں جی چاہے اپنے پڑ رہیں اور جو کچھ کھانے پینے کو مانگیں سوا نہیں پہنچادو۔ گھر آئے کو کسی نے آج تک مار ڈالا نہیں۔ اُن کے منہ کا ڈول، گال تمتمائے اور ہونٹ پڑپڑائے اور گھوڑے کا ہانپنا، اور جی کا کانپنا، اور گھبراہٹ اور تھر تھراہٹ اور ٹھنڈی سانسیں بھرنا اور نڈھال ہو کر گرے پڑنا، ان کو سچا کرتا ہے۔ بات بنائی ہوئی اور بچوئی کی کوئی چھپتی ہے؟ پر ہمارے اور اُن کے بیچ میں کچھ اُوٹ سی کسی کپڑے لتے کی کردو۔''

ایک اجنبی اور بھولے بھٹکے شخص کے لئے رانی کیتکی کے ان الفاظ سے مہمان نوازی کی قدیم ہندوستانی روایت کا پتہ چلتا ہے۔ وہ ایک ہندوستانی عورت کی طرح اپنی محبت کا کھل کر اظہار بھی نہیں کرتی۔ شریف النفس ہونے کے ساتھ رانی کیتکی قدیم

ہندوستانی روایت کی پاس دار بھی ہے اور امین بھی۔ وہ مہمان کی خاطر تواضع کو اپنا اہم فریضہ تصور کرتی ہے۔ اس کے علاوہ ایک اجنبی کی حالتِ زار کا مشاہدہ کر کے اس کی باتوں پر یقین واعتماد بھی کر لیتی ہے، جس سے اس کی معصومیت، سادگی اور سیدھے پن کے علاوہ قوتِ مشاہدہ کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ وہ نسوانی حیا کے سبب اس اجنبی سے بذاتِ خود بات کرنے کے بجائے اپنی سہیلی مدن بان کے ذریعہ بات کرنے کو ترجیح دیتی ہے۔ زبانی اور تحریری قول و قرار کے بعد جب مدن بان کی تجویز پر رانی اور کنور ایک دوسرے کو بطورِ نشانی اپنی اپنی انگوٹھیاں پہناتے ہیں تو کنور کی انگلی میں انگوٹھی پہناتے وقت کیتکی اپنے عاشق کنور کے دھیمے سے ایک چٹکی لے لیتی ہے۔ جس سے اس میں پائی جانے والی فطری شوخی وشرارت کا پتہ چلتا ہے۔

جب دونوں راجاؤں کی افواج سے جنگ شروع ہو جاتی ہے تو کنور اُودَے بھان ایک خط لکھ کر رانی کیتکی کو مشورہ دیتا ہے کہ دونوں مہاراجا آپس میں لڑتے رہیں اور وہ دونوں کسی دوسرے ملک کو چلے جائیں مگر رانی کیتکی کنور کے اس مشورے کو مسترد کر دیتی ہے۔ وہ اپنے والدین کی عزت و آبرو کو مقدم سمجھتی ہے اور فرض کو محبت پر ترجیح دیتی ہے۔ جب جوگی مہندر گر، کنور اُودَے بھان کو ہرن کی شکل میں تبدیل کر دیتا ہے تو وہ بے چین و بے قرار ہو جاتی ہے اسے رات دن یہی فکر رہتی ہے کہ کس طرح اودَے بھان کو اس جادوگر کے طلسم سے آزاد کرا کر اس کے اصلی روپ میں لایا جا سکتا ہے۔ وہ یہ بھی جانتی ہے کہ کنور اُودَے بھان کو ہرن کی شکل میں پہچاننا نہ تو آسان کام ہے اور نہ اُسے اس کے اصلی روپ میں تبدیل کرنا آسان بات ہے۔ وہ اپنے دل کی اسی بات کو اپنی راز دار سہیلی مدن بان کے سامنے رکھتی ہے اور کنور کو ڈھونڈھنے کی مہم میں اسے شامل کرنے کی التجا کرتی ہے مگر مدن بان انکار کر دیتی ہے۔ مدن بان کے انکار کرنے سے وہ بد دل نہیں ہوتی بلکہ راز کے فاش ہونے کے ڈر سے وہ اس کے انکار کو زیادہ اہمیت نہیں دیتی اور ہنسی میں ٹال دیتی ہے۔ رانی کیتکی کا یہ فعل اس کی حکمت عملی اور دور اندیشی کو ظاہر کرتا ہے۔ وہ جرأت و مردانگی کا ثبوت دیتے ہوئے اُودَے بھان کو ڈھونڈھنے کا مصمم ارادہ کر لیتی ہے۔ سب سے پہلے وہ جوگی مہندر گر کے دیے ہوئے بھبھوت کو کسی طرح اپنی ماں سے حاصل کرتی ہے اور کنور کو ڈھونڈھنے کے لئے نکل پڑتی ہے۔ صبر و استقلال کے ساتھ وہ مدتوں جنگل کی خاک چھانتی رہتی ہے۔ ادھر کیتکی کے گھر سے نکلتے ہی اس کے والدین کی بے قراری اور بے چینی بڑھنے لگتی ہے۔ راجا اور رانی کا اضطراب دیکھ کر کیتکی کی سہیلی مدن بان کا دل پسیج جاتا ہے۔ وہ رانی کیتکی اور کنور اُودَے بھان کی تلاش میں گھر سے نکل پڑتی ہے

اور ایک مدت کے بعد ایک جنگل میں اپنی سہیلی کیتکی سے جا ملتی ہے۔ بیٹی کے عزم واستقلال کو دیکھ کر اس کے والد جگت پرکاس اور ماں رانی کام لتا مجبور ہو جاتے ہیں اور عشق و محبت کو اپنی انا پر ترجیح دیتے ہیں۔ انجام کار رانی کیتکی اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ رانی کیتکی کے کردار کے بارے میں ڈاکٹر گیان چند جین نے اپنی کتاب ''اردو کی شعری داستانیں'' میں تحریر کیا ہے:

''رانی کیتکی کا کردار شاہکار ہے۔ وہ پہاڑی دوشیزاؤں کی طرح اتنی صاف دل اور معصوم ہے کہ اپنے جی کی بات ہمیشہ بغیر کسی پیچ و خم کے ادا کر دیتی ہے۔ مثلاً کنور کو دیکھنے کے بعد رات اپنی سہیلی کو جگا کر کہتی ہے:'' اری او! تو نے کچھ سنا۔ میرا جی اس پر آگیا ہے اور کسی ڈول سے تھم نہیں سکتا۔ تو سب میرے بھیدوں کو جانتی ہے۔ اب جو ہونی ہو سو ہو۔ سر رہتا ہے رہے جاتا جائے۔ میں اس کے پاس جاتی ہوں۔ تو میرے ساتھ چل۔ پر تیرے پاؤں پڑتی ہوں۔ کوئی سننے نہ پائے۔ اری میرا جوڑا میرے اور اس کے بنانے والے نے ملا دیا ہے۔ میں اسی لئے ان امریوں میں آئی تھی۔

اُس وقت رانی، کنور کے پاس جاتی ہے اور بغیر کسی گھماؤ پھراؤ، چھیڑ چھاڑ، ضلع جگت کے ایک دوسرے کا تعارف ہو جاتا ہے اور خفیہ ڈھنگ پر اس کی شادی ہو جاتی ہے۔ دوسرے داستان نویس ایسے موقع پر ضرور گرما گرم لطیفوں، فقرہ طرازیوں اور چھینٹوں کی بہار دکھاتے۔ یہاں ہر کام صاف گوئی اور سنجیدگی سے ہو گیا ہے۔ کیوں کہ جانبین کے دل سادہ و معصوم ہیں..... کیتکی کا اس طرح بے باکی سے حالِ دل کہنا اور پھر کنور کے پاس یک بیک پہنچنا کچھ حیرت خیز ضرور ہے لیکن رانی کے کردار کے پیش نظر اسے بے راہ روی یا بے حیائی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ عشق کی شدت کا کرشمہ ہے۔ دوسرے یہ کہ کیتکی گھما پھرا کر ناک پکڑنے کی قائل نہیں۔ وہ جا کر سیدھی سادی طرح اعترافِ عشق کرتی ہے۔ انگوٹھی بدلتی ہے اور چلی آتی ہے۔ یہ نہیں کہ وہاں دورِ جام کے ساتھ داد عیش بھی دی جانے لگی ہو۔ دل کے تمام ارمان نکال لئے گئے ہوں یا رانی کنور جی کے ساتھ فرار ہو جائے کیتکی کی نسائی فطرت کی نرمی کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو۔ رانی کا باپ کنور کا پیغام عقد ٹھکرا دیتا ہے تو کنور کا باپ لڑائی کا اعلان کر دیتا ہے۔ اس وقت رانی کیتکی کہتی ہے:

''یہ کیسی چاہت ہے جس میں لوہو برسنے لگے۔'' انشاؔء نے اس ایک جملے میں کتنے نشتر کتنی تلخ کامیاں، کتنی بجلیاں بھر دی ہیں۔''

(ص۔ ۲۴۷۔ طبع ثانی)

مختصر طور پر کہا جا سکتا ہے کہ رانی کیتکی شریف النفس بھی ہے اور باحیاء بھی۔ وہ معصوم اور سیدھی سادی بھی ہے اور ذرا شوخ اور چنچل بھی۔ وہ وفادار بھی ہے اور اپنے والدین و خاندان کی عزت کا خیال رکھنے والی پاک دامن ناری بھی ہے۔ وہ نڈر اور بے باک بھی ہے۔ وقت پڑنے پر ہمت و حوصلہ اور مردانہ جرأت سے کام لینے والی ہندوستانی عورت بھی ہے۔ اس کے نزدیک جنگ و جدل کسی مسئلے کا حل نہیں۔ غرض اس چھوٹی سی داستان میں انشاء اللہ خاں انشاء رانی کیتکی کے کردار میں مختلف النوع خوبیاں جمع کرنے میں بڑی حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔

☆☆☆

کُنور اُودَے بھان

کنور اُودَے بھان اس کہانی کا اہم کردار ہے جو راجا سورج بھان اور رانی لکشمی باس کا اکلوتا بیٹا ہے۔ کنور کی تربیت قدیم ہندو گھرانوں کی رسم ورواج کے مطابق ہوئی ہے۔ اس کی فطرت میں شریف ہندو گھرانوں کی شرافت اور اعلیٰ قدریں کوٹ کوٹ کر بھری ہیں۔ وہ نوجوان بھی ہے اور خوب صورت بھی۔ شہزادوں یا راج کماروں کی طرح سیر و تفریح کے ساتھ شکار کھیلنا بہت پسند ہے۔ شکار کے شوق نے اسے نڈر اور خطرناک مہم سر کرنے کا عادی کر دیا ہے۔ اسی لئے وہ اپنے تمام ساتھیوں کو چھوڑ کر جنگل میں ایک ہرن کا تعاقب کرتے کرتے راہ بھٹک جاتا ہے۔ اور عافیت کی تلاش میں ایک باغ میں جا پہنچتا ہے۔ جہاں رانی کیتکی اپنی چالیس پچاس سہلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی ہے۔ رانی کیتکی سے آنکھیں ملتے ہی وہ اس پر فریفتہ ہو جاتا ہے۔ عہد و پیمان کے بعد جب کنور واپس اپنے گھر آتا ہے تو اس کا سکھ چین کافور ہو جاتا ہے۔ فطری حیا اور والدین کی عزت و آبرو کے سبب وہ اپنی محبت کا اظہار نہیں کرتا۔ رانی کیتکی کی یاد میں غرق ہونے کے علاوہ نہ اسے کھانے کی سدھ رہی ہے اور نہ پینے کی۔ گم صم اور کھویا کھویا سا رہنے کے سبب اس کے والدین کا اضطراب بڑھنے لگتا ہے۔ والدین کے اصرار کے باوجود بھی وہ اپنے دل کا راز کسی پر ظاہر نہیں کرتا۔ جب ایک دن اس کے والدین نے اسے گلے لگا کر منہ چوم کر، پاؤں پر گر کر اور ہاتھ جوڑ کر اپنے جی کی بات ظاہر کرنے کی منت کی تو اس نے اپنے دل کی بات کو اپنی زبان سے کہنے کے بجائے لکھ کر بتانے پر رضامندی کا اظہار کیا مگر اس شرط پر کہ ''میرے اس لکھے کو میرے منہ پر کسی ڈھب سے نہ لانا، نہیں تو مَیں لجیاؤں گا۔''

یہ اس کی شریف النفس اور اعلیٰ اقدار کی پرورش کا تقاضا تھا کہ اس نے کھل کر اپنے والدین کے سامنے اپنے عشق کا اظہار نہیں کیا۔ اس کے مزاج میں بے باکی اور جرأت کہیں نظر نہیں آتی۔ پوری کہانی کو پڑھ جایئے مگر اس کے کردار میں کہیں اکڑ تکڑ، غرور اور سرکشی نہیں ملتی۔ حالاں کہ انشاء اللہ خاں انشاؔ نے کہانی کے آغاز میں کنور اُودَے بھان کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے کہ

> ''پندرہ برس بھر کے ان نے سولہویں میں پاؤں رکھا تھا۔ کچھ یوں ہی سی مسیں بھیگتی چلی تھیں۔ اکڑ تکڑ اس میں بہت سما رہی تھی۔ کسی کو کچھ سمجھتا نہ تھا، پر کسی

بات کی تھاہ کا گھر گھاٹ پایانہ تھا اور چاہ کی ندی کا پاٹ ان نے دیکھا نہ تھا۔"

اگر کنور میں اکڑ ٹکڑ اور اپنے آگے کسی کو کچھ نہ سمجھنے کی خو ہوتی تو وہ باغ میں رانی کیتکی مدن بان اور ان کی سہیلیوں سے بڑی بے باکی سے پیش آتا، ان سے معذرت کا طلب گار نہ ہوتا اور اپنے والدین کے سامنے اپنے عشق کا اظہار بھی جرأت اور دیدہ دلیری سے کرتا۔ وہ اس وقت راجا جگت پرکاس کو نہ صرف منھ توڑ جواب دیتا بلکہ آمادۂ جنگ بھی ہو جاتا۔ جس وقت اس نے اس کے والدین کی بھیجی ہوئی رشتے کی تجویز کو بڑی حقارت سے ٹھکرا دیتا ہے۔ اس کے برعکس جب رانی کیتکی کے والد راجا جگت پرکاس اور اس کے والد راجا سورج بھان کی افواج سے گھمسان جنگ چھڑ جاتی ہے تو وہ لڑائی میں شریک ہونے کے بجائے رانی کیتکی کو لے کر کسی دوسرے ملک چلا جانا چاہتا ہے۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ ان دونوں یعنی عاشق و معشوق کے دور چلے جانے سے جنگ بند ہو جائے گی۔ یہ اس کی معصومیت کی انتہا ہے۔ دراصل اس کہانی میں کنور اُودے بھان کو عملی طور پر کم ہی پیش کیا گیا ہے۔ وہ نیک، شریف النفس، حیا، وفا شعار، اعلیٰ اقدار کا دلدادہ و پروردہ بھی ہے اور کنور اور شہزادوں کی طرح اسے سیر و تفریح اور شکار کھیلنے کا شوق بھی ہے۔ اس کے کردار میں بعض جگہ تضاد بھی ہے۔ جہاں ایک طرف وہ شکار کھیلنے کے وقت خطرات کا سامنا کرنے میں ہچکچاتا نہیں ہے۔ وہیں دوسری طرف بوقتِ جنگ، لڑائی میں شریک ہونے کے بجائے رانی کیتکی کے ساتھ دوسرے دیش کو بھاگ جانے کا ارادہ کر لیتا ہے۔ والدین اور خاندان کی بدنامی کے خوف سے وہ اپنے عشق کا اظہار نہیں کرتا مگر رانی کیتکی کے ساتھ بھاگنے کا ارادہ کرتے وقت وہ یہ بھول جاتا ہے کہ اس کے اس فعل سے بھی والدین اور خاندان کی رسوائی و بدنامی ہوگی۔ غرض کنور اُودے بھان کا کردار تضاد کے علاوہ عملی طور پر زیادہ فعال بھی نہیں ہے۔

☆☆☆

مدن بان

مدن بان ، رانی کیتکی کی ایک چہیتی گوئیاں یعنی سہیلی کا نام ہے ۔ ایک سہیلی میں جو خوبیاں ہونا چاہیے وہ سب مدن بان میں پائی جاتی ہے ۔ وہ رانی کیتکی کی رازدار بھی ہے اور مشیر و صلاح کار بھی ہے ۔ اس کے کردار میں شوخی شرارت بھی ہے اور سنجیدگی بھی ۔ وہ نہایت ذہین و باشعور بھی ہے اور موقع و محل کی مناسبت سے وہ جذباتی بھی ہو جاتی ہے ۔ یہی وجوہات ہیں کہ اس کہانی میں مدن بان کا کردار نہایت دل کش ، فعال اور جاندار نظر آتا ہے ۔ پوری کہانی میں اسی کے دم سے رونق اور دل کشی برقرار رہتی ہے اور کہانی میں کہیں بھی بددلی یا اکتاہٹ کا احساس نہیں ہوتا ۔

رانی کیتکی کی کہانی کا قاری مدن بان سے پہلی مرتبہ اس وقت متعارف ہوتا ہے جب کنور اُودے بھان شکار کے لئے ایک ہرن کا پیچھا کرتے کرتے راہ بھٹک کر اُس باغ میں پہنچ جاتا ہے جہاں رانی کیتکی اپنی چالیس پچاس سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی ہے ۔ انہیں سہیلیوں میں اس کی ایک قریبی اور شوخ و شنگ سہیلی مدن بان بھی ہے ۔ جب رانی کیتکی اور کنور اُودے بھان نظر ملتے ہی ایک دوسرے پر دل و جان سے فریفتہ ہو جاتے ہیں مگر شرم و حیا کے سبب اپنے عشق کا اظہار بھی نہیں کرتے اور ضبط کا پارا بھی نہیں رکھتے ۔ دل کے ہاتھوں مجبور جب رانی کیتکی اپنے دل کی بات مدن بان کو بتاتی ہے تو مدن بان اس کی حالتِ غیر کا اندازہ کر کے اسے کنور کے پاس لے جاتی ہے اور اس کی حالتِ زار کی ترجمانی کا فرض ادا کرتے ہوئے کہتی ہے ''اجی! تمہیں اکیلا جان کر رانی جی آپ آئی ہیں ۔''

کنور کے اس مختصر جواب کہ ''کیوں نہ ہو؟ جی کو جی سے ملاپ ہے ۔'' مدن بان کا حوصلہ بڑھ جاتا ہے اور وہ کیتکی کو اس طرح متعارف کراتی ہے :

> ''راجا جگت پرکاس کی بیٹی ہیں اور ان کی ماں رانی کام لتا کہلاتی ہیں ۔ ایک مہینے کے پیچھے ، ان کو ماں باپ نے کہہ دیا ہے ، امریوں میں جا کے جھول آیا کرو ۔ آج وہی دن تھا ، سو تم سے مُڈبھیڑ ہو گئی ۔ بہت مہاراجوں کے کنوروں کی باتیں آئیاں پر کسی پر ان کا دھیان نہ چڑھا ۔ دَھن بھاگ ، جو تمہارے پاس سب سے چھپ کے ، میں جو اُن کے لڑکپن کی گوئیاں ہوں ، مجھے اپنے ساتھ لے کے آئی ہیں ۔ اب تم اپنی کہانی کہو جو تم کس دیس کے کون ہو؟''

یہ مختصر تعارف مدن بان کی لیاقت ، ذہانت اور شعور کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے ۔ وہ یہاں پر رانی کیتکی کا تعارف کرانے کے ساتھ کنور سے بھی اپنا تعارف کرانے

کے لئے کہتی ہے:

''بہت مہاراجوں کے کنوروں کی باتیں آئیاں، پر کسی پر اِن کا دھیان نہ چڑھا۔ دَھن بھاگ، جو تمہارے پاس سب سے چھپ کے آئی ہیں۔''

کہہ کر کس سلیقے اور خوش اسلوبی سے رانی کیتکی کی برتری ثابت کرتی ہے۔ کُنور اُودَے بھان کے تعارف میں وہ دانائی، ذہانت اور ریاست نظر نہیں آتی جو ایک راج کمار کی گفتگو میں ہونا چاہیے تھی۔ جب کنور اپنا تعارف پیش کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:

''آپس میں جو گٹھ جوڑا ہو جائے تو انوکھی اچرج اور اچنبھے کی بات نہیں۔ یوں ہی آگے سے ہوتا چلا آیا ہے۔ جیسا منھ ویسی تھپیڑ۔ جوڑ توڑ ٹٹول لیتے ہیں۔ دونوں مہاراجوں کو یہ چت چاہی بات اچھی لگے گی پر ہم تم دونوں کے جی کا گٹھ جوڑا چاہیے۔''

عشق و محبت میں تحریری عہد و پیمان کا کیا کام؟ عاشق و معشوق تو کبھی دماغ سے کام لیتے نہیں۔ وہ تو صرف دل کے ہاتھوں مجبور ہوتے ہیں۔ وہ دنیا کی تمام پابندیوں اور قیود سے خود کو آزاد کر لیتے ہیں مگر مدن بان بارگاہِ حسن و عشق میں بھی دل سے مجبور ہونے کے بجائے دماغ سے کام لیتی ہے۔ کُنور اُودَے بھان اور رانی کیتکی کے درمیان ہوئے زبانی عہد و پیمان کو زیادہ اہمیت نہ دینے کے بجائے لکھوئیں یعنی اقرار نامے لکھوانے اور بطورِ نشانی و عہد ایک دوسرے کو انگوٹھیاں پہنانے پر زور دیتی ہے تاکہ بعد میں کسی طرح کا نزاع نہ ہو سکے۔ دیکھئے وہ اس تجویز کو کس سادگی سے پیش کرتی ہے:

''سو تو ہوا۔ اب اپنی اپنی انگھوٹھیاں ہیر پھیر کر لو اور آپس میں لکھوئیں ابھی لکھ دو، پھر ہیر پھیر نہ رہے۔''

اقرار ناموں کے بعد کنور اُودَے بھان اور رانی کیتکی مدن بان کی موجودگی میں ایک دوسرے کو اپنی اپنی انگوٹھیاں پہناتے ہیں۔ انگوٹھی پہناتے وقت جب رانی کیتکی کنور اُودَے بھان کے ایک ہلکی سی چٹکی لے لیتی ہے تو مدن بان کس شوخی و شرارت کے ساتھ بظاہر کنور کی طرف داری اور رانی سے خفا ہو کر کہتی ہے:

''جو سچ پوچھو تو اتنی بھی بہت ہوئی۔ اتنا بڑھ چلنا اچھا نہیں۔ اپنے سر چوٹ ہے۔ اب اٹھو، چلو اور ان کو سونے دو اور روئیں تو پڑے رونے دو۔''

اس طرح مدن بان کے کردار میں بیک وقت ذہانت و سنجیدگی بھی نظر آتی ہے اور شوخی و شرارت بھی۔ مدن بان کی ذہانت، لیاقت اور جرأت اس وقت بھی لائقِ تعریف کہی جا سکتی ہے جب مہندر گر اپنے جادو کے زور سے کنور اُودَے بھان، اس کے والدین اور تمام لشکر کو ہرن کی شکل میں تبدیل کر دیتا ہے تو رانی کیتکی مضطرب اور بے

چین ہو جاتی ہے۔ وہ عالم اضطراب میں مدن بان سے منت کرتی ہے کہ وہ کنور کو ڈھونڈھنے میں اس کی مدد کرے۔ وہ مدن بان سے یہ بھی کہتی ہے کہ اس نے اپنی ماں سے وہ بھبھوت بھی حاصل کر لیا ہے جس کا لگانے سے، بھبھوت لگانے والا تو سب کو دیکھ سکے گا مگر اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ رانی کیتکی کی اس منت اور تجویز کو مدن بان یہ کہتے ہوئے مسترد کر دیتی ہے کہ بھبھوت لگانے سے ہم دونوں تو کسی کو نظر نہ آئیں گے اور ہم تم ہر ایک کو دیکھ سکیں گے لیکن جس کے لئے یہ سب کچھ کرنا پڑے گا وہ کہاں ہو گا؟ کبھی وہ مل بھی گیا تو ہم لوگ اسے کس طرح پہچان سکیں گے؟ رانی کیتکی کی تجویز کو مدن بان صرف مسترد ہی نہیں کرتی بلکہ اپنے خاص انداز میں اس پریشان حال کی خبر بھی لیتی ہے۔ جھڑکی آمیز پیار بھرے لہجے میں تلقین کرتے ہوئے کہتی ہے:

''چولھے اور بھاڑ میں جائے ایسی چاہت، جس کے لئے ماں باپ، راج پاٹ، سکھ نیند لاج کو چھوڑ کر ندیوں کے کچھاروں میں پھرنا پڑے، سو بھی بے ڈول۔ جو وہ اپنے روپ میں ہوتے تو تھوڑا بہت آسرا تھا۔ نہ جی! یہ ہم سے نہ ہو سکے گا۔ جو مہاراج جگت پرکاس اور مہارانی کام لتا کا ہم جان بوجھ کر گھر اُجاڑیں اور اُن کی بیٹی جو اکلوتی لاڈلی ہے اس کو بہکا کے لے جاویں اور جہاں تہاں اسے بھٹکا دیں اور بناس پتی کھلا دیں اور اپنے چونڈے کو منڈاویں۔ بھلا جب تمہارے اور اس کے ماں باپ میں لڑائی ہو رہی تھی اور اُن نے اس مالن کے ہاتھ تمہیں لکھ بھیجا تھا: جو مجھے پاس اپنے کسی ڈول سے بلالو۔ دونوں مہاراجوں کو آپس میں لڑنے دو۔ جو ہونی ہو، سو ہو۔ ہم تم مل کے کسی اور دیس کو نکل چلیں۔ اس دن نہ سمجھی، تب تو اپنے منھ کی پیک سے، اس کی چٹھی کی پیٹھ پر جو یہ لکھا تھا: جب تلک جیسا کچھ آگے سے ہوتا چلا آیا ہے، اُسی ڈول سے، اسی روپ سے نہ ہو، کوئی بات ہمیں تو رچتی نہیں اور بھاگنے میں باپ دادے کو ایک چٹ لگ جاتی ہے۔ اس دن تو وہ تاؤ بھاؤ دکھایا تھا۔ اب جو وہ کنور اُودے بھان اور ان کے ماں باپ تینوں جنے بن بن کے ہرن ہرنی بنے ہوئے کیا جانیے کدھر ہوں گے؟ ان کے دھیان پر وہ کر بیٹھے جو کسی نے تمہارے گھرانے بھر میں نہیں کی۔ اس بات پر مائی ڈالو، نہیں تو بہت پچھتاؤ گی اور اپنا کیا پاؤ گی۔ مجھ سے تو یہ نہ ہو سکے گا۔ تمہاری اچھی بات کچھ ہونی تو منہ سے جیتے جی نہ نکالتی، پر یہ بات میرے پیٹ میں پچ نہیں سکتی۔ تم ابھی الھڑ ہو۔ تم نے کچھ دیکھا نہیں۔ پر جو ایسی بات پر سچ مچ نہیں دُبلا دیکھوں گی تو تمہارے ماں باپ سے کہہ کر، وہ بھبھوت جو موا نگوڑا بھوت،

مچھندر کا پوت، ابدھوت دے گیا ہے، ہاتھ مڑوڑوا کے چھنوالوں گی۔''

یہاں مدن بان اپنی سہیلی رانی کیتکی کو اعلیٰ خاندانوں کی قدروں، تہذیب اور سنسکار کی یاد دلاتے ہوئے کہتی ہے کہ مہذب خاندانوں کی لڑکیاں، شرم وحیا یا لوک لاج کو بالائے طاق رکھ کر کسی کے عشق میں نہ تو خود کو اس طرح رسوا کرتی ہیں اور نہ اپنے والدین اور خاندان کی عزت و آبرو کو خاک میں ملاتی ہیں۔ اگر یہی سب کچھ کرنا تھا تو اس وقت ہی کنور کے ساتھ کسی دوسرے دیس کو نکل جاتیں جب انہوں نے ایک چٹھی کے ذریعہ تمہارے سامنے یہ تجویز رکھی تھی۔

اس موقع پر بھی مدن بان کا کردار نہایت دل کش اور جاندار ہو گیا ہے۔ یہاں وہ اپنی سہیلی رانی کیتکی کو تلقین بھی کرتی ہے، درس بھی دیتی ہے، سمجھاتی بجھاتی بھی ہے اور بھبھوت چھنوا کر اس کے منصوبے پر پانی پھیر دینے کی دھمکی بھی دے ڈالتی ہے۔ غرض وہ عشق کے ہاتھوں مجبور کیتکی کو ہر اس کام یا فعل سے باز رکھنا چاہتی ہے جس کے سبب نہ وہ خود رسوا یا پریشان ہو اور نہ اس کے خاندان کی شرافت و عزت پر بٹہ لگے لیکن جب رانی کیتکی اس کی صلاح کو قبول نہ کرتے ہوئے کنور کی تلاش میں نکل جاتی ہے تو وہ ایک سہیلی کے فرائض کو نباہتے ہوئے کنور اُودے بھان کی تلاش میں جنگل جنگل بھٹکنے لگتی ہے۔ آخر کار کچھ دنوں کے بعد دونوں سہیلیوں کی ملاقات جنگل میں ہو جاتی ہے اور تمام جد و جہد کے بعد اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہو جاتی ہیں۔ مدن بان کے کردار سے متعلق ڈاکٹر گیان چند جین رقم طراز ہیں:

''کتاب کے آخر میں کیتکی اور مدن بان کی بات چیت میں دو شوخ لڑکیوں کے پر لطف رمز و کنایے بہترین ہیں۔''

(اردو کی نثری داستانیں۔ طبع ثانی ص ۲۴۶)

مندرجہ بالا تجزیہ سے ظاہر ہے کہ مدن بان اس کہانی کا نہایت فعال، محرک اور جاندار کردار ہے۔ وہ کہیں شوخ و شنگ نظر آتی ہے تو کہیں بردبار اور سنجیدہ دکھائی دیتی ہے۔ کہیں دانشور، تجربہ کار اور جہاں دیدہ ہونے کا ثبوت فراہم کرتی ہے تو کہیں خود کو بہترین مشیر و صلاح کار بھی ثابت کر دکھاتی ہے۔ وہ موقع و محل کی مناسبت سے کبھی جذبات سے بھی کام لیتی ہے تو کہیں رمز و کنایات سے۔ غرض انشاؔ نے مدن بان کے کردار میں تقریباً وہ تمام خوبیاں جمع کر دی ہیں جو ایک بہترین گوئیاں یا سہیلی میں ہونا لازمی ہیں۔

☆☆☆

انشاؔء کی دیگر نثری تصانیف

دریائے لطافت:

فارسی زبان میں تحریر کی گئی دریائے لطافت سید انشاء اللہ خاں انشاؔء اور مرزا محمد حسن قتیل کی مشترکہ کوششوں کا نتیجہ ہے۔ یہ کتاب دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلا حصہ زبان و بیان اور صرف و نحو سے متعلق ہے جسے انشاء اللہ خاں انشاء نے تحریر کیا ہے۔ دوسرے حصہ میں منطق، معانی، عروض اور قوافی وغیرہ سے متعلق بحث کی گئی ہے۔ جسے مرزا محمد حسن قتیل نے قلم بند کیا ہے۔ دریائے لطافت ۱۲۲۳ ھ میں تمام ہوئی اور پہلی بار ۱۲۶۶ھ مطابق ۱۸۴۹ء کو مرشد آباد میں طبع ہوئی۔ بعد میں اس کتاب کا اردو ترجمہ پنڈت دتاتریہ کیفی نے کیا جسے انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد (دکن) نے شائع کیا تھا۔ جب سے اب تک اس کتاب کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اس کتاب سے قبل معانی و عروض، صرف و نحو وغیرہ سے متعلق جو کتب و رسائل ملتے ہیں ان کے مصنفین اور مرتبین یوروپ کے قواعد نویس تھے۔ جن میں فاربس اور پلیٹس وغیرہ کے نام اہم ہیں۔ اس کتاب کی اہمیت صرف اس لئے نہیں ہے کہ اسے ہندوستانی ادیبوں نے تحریر کیا ہے۔ بلکہ اس لئے زیادہ ہے کہ اسے اردو زبان کی فطری ساخت اور اس کے صوتی، صرفی اور نحوی مزاج کے پیش نظر تحریر کیا گیا ہے۔

لطائف السعادت:

لطائف السعادت انشاء اللہ خاں انشاؔء کی فارسی تالیف ہے جس میں انہوں نے نواب سعادت علی خاں کے وہ لطائف قلم بند کئے ہیں جو ان کی صحبت میں پیش آئے یا نواب کے مصاحبین نے بیان کئے۔ ان لطائف سے انشاء اور نواب سعادت علی خاں کے تعلقات کی نوعیت کا تو پتہ چلتا ہی ہے بلکہ خود انشاء کی وضع قطع اور عادات سے بھی واقفیت ہوتی ہے۔ اگرچہ اس کتاب میں نواب سعادت علی خاں کے ۵۳ لطائف کو یکجا کیا گیا ہے مگر ان میں چند لطائف ہی ایسے ہیں جنہیں زبان و بیان سے واقعی لطائف کہا جا سکتا ہے۔ باقی لطائف رعایت لفظی اور ضلع جگت پر مبنی عامیانہ اور رکیک ہیں۔ اگرچہ یہ فارسی کی تالیف ہے مگر کہیں کہیں اردو زبان کے فقرے اور جملے بھی نظر آجاتے ہیں۔

ترکی روزنامچہ:

یہ ترکی زبان میں لکھی ہوئی ایک نا مکمل روزنامچہ یعنی ڈائری ہے، جس میں انشاء اللہ خاں انشاء نے روزانہ رونما ہونے والے واقعات کو قلم بند کیا ہے۔ اس روزنامچہ میں ۱۲/ جولائی ۱۸۰۸ء سے ۱۸/ اگست ۱۸۰۸ء تک یعنی ایک ماہ اور چھ دن کے واقعات درج ہیں۔ روزنامچہ کا ایک نامکمل قلمی مسودہ رام پور رضا لائبریری میں محفوظ ہے جو ۲۴ اوراق یعنی ۴۸ صفحات پر مشتمل ہے۔

سلکِ گہر:

سلکِ گہر چالیس صفحات پر مشتمل ایک بے لفظ نثری داستان ہے جو انشاء اللہ خاں انشاء کی جودتِ طبع، قدرتِ زبان اور صنعتِ مہملہ کے نمونوں میں سے ایک ہے۔ منقوط الفاظ سے اجتناب برتنے کے سبب داستان کی عبارت میں کہیں بھی سلاست، روانی اور برجستگی نظر نہیں آتی۔ لہجے کے اکھڑے پن اور نامناسب و ناموزوں الفاظ کے استعمال نے داستان کو نہایت بے لطف و بے کیف بنا دیا ہے۔

مطر المرام:

مطر المرام قصیدۂ بے نقط ''طور الکلام'' کی شرح ہے۔

رانی کیتکی کی کہانی

ہندوستانی تہذیب ومعاشرت کی عکاسی

رانی کیتکی کی کہانی تاریخی اور لسانی اہمیت کی حامل ہونے کے ساتھ ہندوستانی تہذیب و معاشرت کی بھرپور عکاسی کرتی ہے۔ انشاء اللہ خاں انشاء نے اس کہانی میں جن الفاظ و محاورات، تشبیہات و استعارات وغیرہ کا استعمال کیا ہے ان کی محض لغوی قدر و قیمت نہیں۔ اس اعتبار سے تو وہ صرف لغت کے نگار خانے میں مخزون ہو کر رہ جائیں گے لیکن جب ہم ان کا مطالعہ عمرانی لسانیات کے دائرے میں کرتے ہیں تو ان کے ذریعہ انشاء اللہ خاں انشاء کے عہد کی ہندو سماج کی تہذیب معاشرت کی بھرپور عکاسی کرتی ہے اور کہانی میں استعمال کئے گئے الفاظ کے معانی، مفاہیم اور معنویت کا احساس ہوتا ہے۔ شادی، بیاہ، جشن و جلوس، سیر و شکار، ہجر و وصل اور جادو ٹونا، ٹوٹکا وغیرہ کرنے کے موقعوں پر جو الفاظ لائے گئے ہیں وہ ایک دوسرے سے مل کر اپنے عہد کی تہذیبی و معاشرتی خصوصیت کو نمایاں کر کے اپنی معنویت کا احساس دلا رہے ہیں۔

رانی کیتکی کی کہانی تاریخی اور لسانی اعتبار سے اہمیت کی حامل ہونے کے ساتھ

ساتھ ہندوستانی تہذیب و معاشرت کی بھی بھرپور عکاسی کرتی ہے۔ انشاؔ نے ہندوستانی تہذیب کا بھرپور مطالعہ و مشاہدہ کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی کہانی میں جابجا ہندوستانی تہذیب و معاشرت کی واضح جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ ان کے یہاں اعلیٰ اور ادنیٰ طبقہ کے افراد کے رہن سہن، بول چال اور تہذیب و معاشرت میں نمایاں فرق نظر آتا ہے۔ ہندوؤں کے اعلیٰ خاندانوں کی عورتوں، مہارانیوں اور راجکماریوں کا اندازِ گفتگو ملاحظہ فرمائیں۔ جب تمام دن کا تھکا ماندہ اور افسردہ کنور اُودے بھان امرائیوں میں پہنچتا ہے تو اسے سب کی سیر دھری لال جوڑا پہنے ہوئے رانی کیتکی اپنی سہیلیوں کے ساتھ نظر آتی ہے۔ وہ ایک اجنبی کو دیکھ کر پہلے تو جھجکتی اور گھبراتی ہے اور پھر اپنی حیثیت کا خیال آتے ہی وہ ایک دم کنور اُودے بھان سے رُکھائی برتنے لگتی ہے۔ اس پر جب کنور اس کے سامنے اپنی عاجزی، انکساری اور لاچاری کا اظہار کرتا ہے تو رانی کیتکی ترس کھا کر اپنی سہیلیوں سے مخاطب ہو کر کہتی ہے:

> ''نہ جی! بولیاں ٹھولیاں نہ مارو۔ ان کو کہہ دو، جہاں جی چاہے اپنے پڑ رہیں اور جو کچھ کھانے پینے کو مانگیں سو اُنہیں پہنچا دو۔ گھر آئے کو کسی نے آج تک مار ڈالا نہیں۔ ان کے منہ کا ڈول، گال تمتمائے اور ہونٹ پڑ پڑائے اور گھوڑے کا ہانپنا، اور جی کا کانپنا اور گھبراہٹ اور تھرتھراہٹ اور ٹھنڈی سانسیں بھرنا اور نڈھال ہو کر گرے پڑنا، ان کو سچا کرتا ہے۔ بات بنائی ہوئی اور سچوئی کی کوئی چھپتی ہے؟ پر ہمارے اور اُن کے بیچ میں کچھ اوٹ سی کسی کپڑے لتے کی کر دو۔''

طبقاتی، جنسی اور انفرادی امتیازات کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسی قسم کی اندازِ گفتگو کے بہترین نمونے رانی کیتکی کی کہانی میں جابجا بکھرے نظر آتے ہیں جو لسانی جذبات اور عہد انشاء کے سماج بالخصوص ہندو تہذیب و معاشرت کے بہترین عکاس ہیں۔

رانی کیتکی کی کہانی کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ قدیم ہندوستانی معاشرت میں طبقاتی امتیازات کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ ہندوستانی سماج ذات پات، اونچ نیچ اور بھید بھاؤ کے بندھن میں جکڑا ہوا تھا جس کا واضح اظہار انشاء اللہ خاں انشاء نے نہایت چابک دستی سے کیا ہے۔ جب راجا سورج بھان اپنے بیٹے کنور اُودے بھان کے لئے راجا جگت پرکاس کی بیٹی رانی کیتکی کا ہاتھ مانگنے کے لئے ایک برہمن کو ان کے پاس بھیجتے ہیں تو راجا جگت پرکاس بڑی حقارت سے پرتمکنت لہجہ میں کہتا ہے:

''جو بامہن کی بتیا کا دھڑکا نہ ہوتا، تو تجھ کو ابھی چکی میں دلوا ڈالتا۔ اس کو لے جاؤ اور ایک اندھیری کوٹھری میں موند رکھو۔

اور دیکھئے:

ان کے ہمارے ناتا نہیں ہونے کا۔ ان کے باپ دادے ہمارے باپ دادوں کے آگے سدا ہاتھ جوڑ کے باتیں کیا کرتے تھے اور ٹک جو تیوری چڑھی دیکھتے تھے، بہت ڈرتے تھے۔ کیا ہوا جواب وہ بڑھ گئے اور اونچے پر چڑھ گئے؟ جس کے ماتھے ہم بائیں پاؤں کے انگوٹھے سے ٹیکا لگا دیں وہ مہاراجوں کا راجا ہو جائے۔ کس کا منھ جو یہ بات ہمارے منھ پر لائے۔

شادی کے پُر مسرت موقع پر رانی کیتکی اور مدن بان کی فقرے بازی اور ٹھٹولی سے بھی لطف اندوز ہوتے چلیں:

مدن بان: اب سکھ سمیٹئے بھر بھر جھولی! سیر نہوڑائے کیا بیٹھی ہو؟
آؤ نہ ٹک ہم تم مل کے جھروکوں سے اُنہیں جھانکیں''
رانی کیتکی: نہ ری ایسی نلجی باتیں ہم سے نہ کر۔ ایسی کیا پڑی؟
جو اس گھڑی ایسی کڑی جھیل کر، ریل پیل کر، اُبٹن اور تیل پھلیل بھرے ہوئے ان کے جھانکنے کو جا کھڑی ہوں۔''

جھولی بھر بھر سکھ سمیٹنا، سر نہوڑائے بیٹھنا، آؤ نہ، جھروکوں سے جھانکنا، نلجی باتیں کرنا، کڑی جھیلنا، ریل پیل کرنا، اُبٹن، تیل پھلیل اور جھانکنے کو جا کھڑی ہونا جیسے الفاظ و محاورات اور روزمرّہ وغیرہ اپنے عہد کی ایک مخصوص طبقہ کی عورتوں کی چہل بازی، چھیڑ خانی اور ٹھٹولیوں کی بھرپور غمازی کرتے ہیں۔

انشاء نے اس کہانی کے ذریعہ زمانہ قدیم کے ہندو راجاؤں اور متمول گھرانوں کی مخصوص تہذیب و معاشرت بالخصوص شادی بیاہ وغیرہ کی تیاری، ٹھاٹھ باٹ اور رسم و رواج وغیرہ کے مناظر کو جس باریک بینی اور فنی مہارت سے پیش کیا ہے اس کی مثال نظیر اکبر آبادی کی نظم ''مہادیو کا بیاہ'' کے علاوہ بہ مشکل تمام ہی مل سکے گی۔ رانی کیتکی اور کنور اُودے بھان کے بیاہ کے منڈپ کے لئے آرسی دھام تیار ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

''بیچوں بیچ ان سب گھروں کے ایک آرسی دھام بنایا تھا۔ جس کی چھت اور کواڑ اور آنگن میں آرسی چھٹ کہیں لکڑی اینٹ پتھر کی پُٹ ایک

اُنگلی کے پورے بھر نہ تھی۔ چاندنی کا جوڑا پہنے ہوئے چودھویں رات جب گھڑی چھ ایک رات رہ گئی، تب رانی کیتکی سی دُلہن کو اُسی آرسی بھون میں بٹھا کر دولہا کو بلا بھیجا۔

کنور اُودے بھان کنہیا بنا ہوا سر پر مکٹ دھرے سہرا باندھے اُسی تڑاوے اور جمگھٹ کے ساتھ چاند سا مکھڑا لئے جا پہنچا۔ جس جس ڈھب سے بامہن اور پنڈت کہتے گئے اور جو جو مہاراجوں میں ریتیں ہوتی چلی آتیاں تھیں اسی ڈول سے اسی روپ سے بھونری گٹھ جوڑا سب کچھ ہولیا۔''

راجا، مہاراجا اور اعلیٰ طبقوں کے گھرانوں میں شادی بیاہ اور دیگر جشن کے پر مسرت مواقع پر شوبھا کے لئے دسہرہ، دیوالی اور ہولی جیسے تہواروں کی طرح جھانکیاں نکالنے کا رواج تھا جس میں جلوس کے ساتھ مکانوں اور راستوں کی آرائش ، مہمانوں کی آمد، تماش بینوں کی چہل پہل، روشنیوں کا اہتمام، باجوں گاجوں کا شور اور ناچ رنگ کے علاوہ دیوی دیوتاؤں کی لیلاؤں کی جھانکیوں کو اہمیت حاصل تھی۔ ملاحظہ فرمائیں:

''اس میں کہیں بھرتری کا سانگ آیا، کہیں جوگی جے پال آ کھڑے ہوئے ۔ کہیں مہادیو اور پاربتی دکھائی پڑے، کہیں گورکھ جاگے، کہیں مچھندر ناتھ بھاگے، کہیں مچھ، کچھ، باراہ اوتار سنمکھ ہوئے۔ کہیں پرس رام، کہیں باون روپ، کہیں ہرناکس اور نرسنگھ، کہیں رام، لچھمن، سیتا سامنے آئے۔ راون اور لنکا کا بکھیڑا سارے کا سارا دکھائی دینے لگا۔ کہیں کنہیا جی کا جنم اشٹمی ہونا اور باسدیو کا گوکل لے جانا اور ان کا اس روپ سے بڑھ چلنا اور گائیں چرانی اور مُرلی بجانی اور گوپیوں سے دھو میں مچانی اور رادھا کا رس، کبجا کا بس کر لینا، کہیں بنسی بٹ، چیر گھاٹ، بندرابن۔ کریل کی کنج، سیوا کنج، برسانے میں رہنا اور اس کنہیا سے جو جو کچھ ہوا تھا سب کا سب جیوں کا تیوں آنکھوں میں آنا اور دوارکا میں جانا اور وہیں سونے کے گھر بنانا اور پھر برج کو نہ آنا اور سولہ سو گوپیوں کا تلملانا سامنے آگیا۔''

انشاء نے اپنے عمیق مشاہدے اور بصیرت سے دلہن کی منہ دکھائی کی جو دلکش تصویر کھینچی ہے وہ ہندو سماج کے اعلیٰ طبقہ کی تہذیب و معاشرت کی بہترین عکاس ہے۔

"راجا اندر نے دلہن کی منہ دکھائی میں ایک ہیرے کا اکڈال چھپر کھٹ اور ایک پیڑھی پکھراج کی دی اور ایک پارجات کا پودھا جس سے جو پھل مانگیے سو ہی ملے، دلہن کے سامنے لگا دیا اور ایک کام دھین گائے کی پٹھیا بھی اس کے نیچے باندھ دی اور اکیس لونڈیاں اُنہیں اڑن کھٹولے والیوں میں سے چن کے اچھی سے اچھی، ستھری سے ستھری گاتی بجاتیاں، سیتی پروتیاں، سگھڑ سگھڑ سونپیں۔"

رانی کیتکی کی کہانی کی لفظیات۔ رانی کیتکی کی کہانی اردو زبان وادب کے لئے ایک گراں قدر سرمایہ ہے۔ اس کی زبان کے مطالعہ سے آج سے تقریباً دو سو سال پہلے کے ہندوستان خصوصاً قدیم ہندوستان کے ہندوؤں کی زبان کے علاوہ سماجی، تہذیبی اور تمدنی زندگی کا پتہ چلتا ہے۔ رانی کیتکی کی کہانی اپنی مخصوص زبان، اسلوب اور اندازِ بیان کے اعتبار سے منفرد ہے۔ اس کے ذریعہ انشاء نے اردو کو ایک خاص اسلوب اور زبان عطا کی۔ انہوں نے فارسی، عربی، ترکی، پشتو وغیرہ غیر ملکی زبانوں کے الفاظ اور مقفیٰ، مسجع و مصنوعی عبارت آرائی سے اجتناب برتا۔ دراصل وہ اردو زبان وادب میں ہندی کے سبک، شیریں، لطیف الفاظ اور عام فہم تشبیہات واستعارات اور تلمیحات وغیرہ کو رواج دینا چاہتے تھے۔ ان کے نزدیک ہندی کے عام فہم الفاظ کی شمولیت سے زبان میں نہ صرف وسعت پیدا ہوگی بلکہ اس کی رسائی عام آدمی تک ہو جائے گی۔ اسی لئے ان کی کہانی میں جو بن، اُبھار، سنگار، داتا، کرن، جوت، پتلا، بھید، ناتا، ٹیکا، ٹیکا لگانا، کرتب، دیس گت، کیسر، چندن، ریت، لاج، روپ، ہُن، مورت، کُسم، مکٹ، مدھ، سہاگ، سہاگن، سولہ سنگار، آؤ بھگت، چِت، بن، جیسے ہندی کے عام فہم اور سبک الفاظ کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں۔

اس کہانی میں مستعمل لفظیات کے مطالعہ سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ قدیم ہندوستانی فضا کو قائم کرنے نیز ہندی الفاظ پسندی کے پھیر میں کچھ زیادہ ہی پڑنے کے سبب انشاء نے دیدہ ودانستہ نامانوس اور متروک الفاظ وتراکیب کا بے دھڑک استعمال کیا ہے جیسے ڈول، بھاؤ بھگک، سردھری، گاڑھ پڑنا، پچوٹی، بچکنا، ہچر مچر، سُرت، دھن بھاگ، آدشکتی، سیوا، چت چاہی، رُچی، رُچنا، اتیت، بچارے ہونا، گوت کی میل، ہتیا، موند رکھنا، سہائے کرنا، بیٹا مارا، چھیک دینا، بھبھوت، ابدھوت، بناس پتی، جَن، بروگ لینا، بکھمر، ادھر، راج تلک، آرسی دھام، آرسی بھون، گھ

جوڑا، ہواؤ، اچرج، مرگ چھالا نول، آدیس کرنا، رہس دھاری، ڈنڈوت، کھنڈ سال وغیرہ۔

مندرجہ بالا ہندی زبان کے دقیق الفاظ وتراکیب اردو زبان کے مزاج سے ہم آہنگ نہیں ہو سکتے۔

داستانی فضاء کو برقرار رکھنے کے لئے داستان گویا داستان نویس معاشرت کی جس چیز کا ذکر کرتے ہیں تو حتی الامکان اس کی تمام اقسام واصطلاحات کا ذکر ضروری خیال کرتے ہیں۔ رانی کیتکی کی کہانی میں بھی یہی رجحان نمایاں ہے۔ ہندو دیومالا یا ضمیات کے تعلق سے چند تلمیحات مندرجہ ذیل ہیں:

بھرتری کا سانگ، جوگی جے پال، مہادیو، پاربتی، گورکھ جاگے، مچھندر ناتھ، مچھ، کچھ باراہ، پرس رام، باون روپ، ہرناکس، نرسنگھ، رام، لچھمن، سیتا، راون، اور لنکا کا بکھیڑا اور کنہیا کے تعلق سے اودھو، جنم اشٹمی، باسدیو کا گوکل لے جانا، گائیں چرانی، مُرلی بجانی، گوپیوں سے دھومیں مچانی، رادھا کا رس، کبجا کا بس کر لینا، بنسی بٹ، چیر گھاٹ، بندرابن، کریل کی کنج، سیوا کنج، برسانے میں رہنا، دوارِ کا جانا وغیرہ۔

اسی طرح چند اشیاء کی اقسام یا درجہ بندی کی مثالیں بھی پیش ہیں:

راگ اور راگنیاں۔ اساوری۔ ایمن کلیان۔ باگیسری۔ بہاگ۔ بھبھاس گر۔ بھیروں۔ پرج۔ ٹوڑی۔ ججونتی۔ دیپک داس (دیپک)۔ سُدھ کلیان۔ سارنگ۔ سورٹھ۔ سوہرٹ۔ سوہنی۔ کدارا۔ کھٹ لِلَت۔ کھماچ۔ گوجری۔ مالسری۔ میگھ ناتھ۔ ہنڈول گر۔

بحری سواریاں یا کشتیاں۔ بجرا۔ بھولیا۔ رام۔ سندر۔ سونا مکھی۔ سیام سندر۔ لچکا۔ مور پنکھی۔

آلاتِ موسیقی۔ تبلا۔ جلترنگ۔ سارنگی۔ کھٹ تال۔ مردنگ۔ منھ چنگ۔

آتش بازی۔ پھلجھڑی۔ جوہی۔ سپاری۔ کدم۔ گیندا۔ ہتھ پھول۔ ہنستاپان۔ جاہی۔ چمیلی۔

مغنی اور رقاص (اہلِ طرب)۔ بھانڈ۔ ڈومنی۔ رام جنی۔ کنچنی۔ رَہس دھاری۔ منگلا مکھی۔

سواریاں۔ اُڑن کھٹولا۔ چنڈول۔ رتھ۔ سکھپال۔

جلسے۔ سانگ۔ سنگیت۔ رَہس۔ بھنڈ تال۔

بھون یا محل۔ آرسی بھون۔ آرسی دھام۔ چندر بھون۔ رس دھام۔ کشن نواس۔ مادھو بلاس۔ مچھی بھون۔

یکم مئی ۲۰۰۹ء

شریف احمد قریشی
ریڈر۔ شعبہ اُردو
گورنمنٹ رضا پوسٹ گریجویٹ کالج
رام پور (اتر پردیش)

متن

یہ وہ کہانی ہے جس میں ہندی چھٹ
کسی اور بولی کا نہ میل ہے نہ پُٹ

سر جھکا کر ناک رگڑتا ہوں، اپنے اس بنانے والے کے سامھنے جس نے ہم سب کو بنایا اور بات کی بات میں وہ کر دکھایا، جس کا بھید کسی نے نہ پایا۔ دوہا اپنی بولی کا ؎

آتیاں جاتیاں جو سانسیں ہیں
اُس کے بن دھیان سب یہ پھانسیں ہیں

یہ کل کا پُتلا جو اپنے اُس کھلاڑی کی سُدھ رکھے ' تو کھٹائی میں کاہے کو پڑے اور کڑوا کسیلا کیوں ہو؟ اُس پھل کی مٹھائی چکھے، جو بڑوں سے بڑے اگلوں نے چکھی ہے۔ دوہا اپنی بولی کا ؎

دیکھنے کو تو آنکھیں دیں اور سننے کو یہ کان دیے
ناک بھی اُونچی سب میں کر دی، مرتوں کو جی دان دیے

مٹی کے باسن کو اتنی سکت کہاں ' جو اپنے کمہار کے کرتب کچھ تاڑ سکے؟ سچ ہے جو بنایا ہوا ہو ' سو اپنے بنانے والے کو کیا سَراہے اور کیا کہے؟ یوں جس کا جی چاہے پڑا بکے! سر سے لگا پاؤں تلک جتنے رونگٹے ہیں جو سب کے سب بول اُٹھیں اور سراہا کریں اور برسوں اسی دھیان میں رہیں، جتنی ساری ندیوں میں ریت اور پھُول پھلیاں کھیت میں ہیں ' تو بھی کچھ نہ ہو سکے ' کراہا کریں۔

اس سر جھکانے کے ساتھ ہی دن رات جپتا ہوں اپنے اُس داتا کے بھیجے ہوئے پیارے کو، جس کے لئے یوں کہا ہے: جو تو نہ ہوتا تو میں کچھ نہ بناتا۔'' اور اُس کا چچیرا بھائی جس کا بیاہ اس کے گھر میں ہوا' اسی کی مجھے سُرت لگی رہتی ہے۔ میں پھولا اپنے آپ میں نہیں سماتا۔ اور جتنے ان کے لڑکے بالے ہیں' انھیں کی یہاں پرچاہ ہے ۔اور کوئی ہو، کچھ میرے جی کو نہیں بھاتا۔ مجھے اُس گھرانے چھٹ اور کسی لے بھاگ اور اوچک چور' ٹھگ سے کیا پڑی؟ جیتے مرتے انہیں سبھوں کا آسرا ہے، آٹھوں پہر بتیسوں گھڑی۔

☆☆☆

ڈول ڈال ایک انوکھی بات کا

ایک دن بیٹھے بیٹھے یہ بات اپنے دھیان چڑھی، کوئی کہانی ایسی کہیئے ، جس میں ہندی چھٹ اور کسی بولی کی پُٹ نہ ملے، تب جا کے میرا جی پھول کی کلی کے روپ سے کھلے۔ باہر کی بولی اور گنواری کچھ اس کے بیچ میں نہ ہو۔ اپنے ملنے والوں میں سے ایک کوئی بڑے پڑھے لکھے، پُرانے دُھرانے، ڈاگ، بوڑھے گھاگ، یہ کھٹ راگ لائے۔ سر ہلا کر، منہ تھتھا کر، ناک بھوں چڑھا کر، آنکھیں پھرا کر، لگے کہنے:

"یہ بات ہوتی دکھائی نہیں دیتی، ہندی پَن بھی نہ نکلے اور بھاکا پنا بھی نہ ٹھس جائے۔ جیسے بھلے لوگ اچھوں سے اچھے آپس میں بولتے چالتے ہیں، جوں کا توں سب وہی ڈول رہے اور چھاؤں کسی کی نہ دبے یہ نہیں ہونے کا۔"

میں نے ان کی ٹھنڈی سانس کی پھانس کا ٹہوکا، جھوکا کھا کر جھنجھلا کر کہا:

"میں کچھ ایسا بڑھ بولا نہیں جو رائی کو پربت کر دکھاؤں اور جھوٹ سچ بول کر انگلیاں نچاؤں اور بے سُری، بے ٹھکانے کی اُلجھی سلجھی باتیں سلجھاؤں' جو مجھ سے نہ ہو سکتا' تو بھلا یہ بات منہ سے کیوں نکالتا؟ جس ڈھب سے ہوتا اس بکھیڑے کو ٹالتا۔"

اس کہانی کا کہنے والا یوں آپ کو جتاتا ہے اور جیسا کچھ لوگ اُسے پکارتے ہیں کہہ سناتا ہے۔ دہنا ہاتھ منہ پر پھیر کے آپ کو جتاتا ہوں' جو میرے داتا نے چاہا تو وہ تاؤ بھاؤ اور آؤ جاؤ اور کود پھاند اور لپٹ جھپٹ دکھاؤں' جو دیکھتے ہی آپ کے دھیان کا گھوڑا جو بجلی سے بھی بہت چنچل، اچپلاہٹ میں ہے ہرنوں کے روپ میں اپنی چوکڑی بھول جائے۔ چونکہ

گھوڑے پر اپنے چڑھ کے آتا ہوں میں
کرتب جو ہیں سو سب دکھاتا ہوں میں
اس چاہنے والے نے جو چاہا تو ابھی
کہتا جو کچھ ہوں کر بتاتا ہوں میں

اب آپ کان رکھ کے، آنکھیں ملا کے، سنمکھ ہو کے ٹک ادھر دیکھیئے، کس ڈھب سے بڑھ چلتا ہوں اور اپنے ان پھول کی پنکھڑی جیسے ہونٹوں سے کس کس روپ کے پھول اگلتا ہوں۔

کہانی کے جوبَن کا اُبھار، اور بول چال کی دُلہن کا سنگار

کسی دیس میں کسی راجا کے گھر ایک بیٹا تھا۔ اسے اُس کے ماں باپ اور گھر کے سب لوگ کنور اودے بھان کر کے پکارتے تھے۔ سچ مچ اس کے جوبن کی جوت میں سورج کی

ایک سوت آملی تھی۔ اس کا اچھا پن اور بھلا لگنا کچھ ایسا نہ تھا، جو کسی کے لکھنے اور کہنے میں آسکے۔ پندرہ برس بھر کے اُن نے سولہویں میں پاؤں رکھا تھا۔ کچھ یوں ہی سی اس کی مسیں بھیکتی چلی تھیں۔ اکڑ تکڑ اس میں بہت سما رہی تھی۔ کسی کو کچھ سمجھتا نہ تھا، پر کسی بات کی تھاہ کا گھر گھاٹ پایا نہ تھا اور چاہ کی ندی کا پاٹ ان نے دیکھا نہ تھا۔

ایک دن ہریالی دیکھنے کو اپنے گھوڑے پر چڑھ کے اپنے اسی اٹھکھیل اور الہڑ پن کے ساتھ دیکھتا بھالتا چلا جاتا تھا۔ اتنے میں ایک ہرنی جو اس کے سامنے آئی، تو اس جی لوٹ پوٹ ہوا۔ اور اس نے ہرنی کے پیچھے سب کو چھوڑ چھاڑ کر، گھوڑا پھینکا بھلا کوئی گھوڑا اُس کو پا سکتا تھا؟ جب سورج چھپ گیا، اور ہرنی آنکھوں سے اوجھل ہوئی، تب تو یہ کنور اُودے بھان بھوکا، پیاسا، اُنیندا، جماہتا، انگڑائیاں لیتا، ہکا بکا ہو کے لگا آسرا ڈھونڈنے، اتنے میں کچھ امریاں دھیان چڑھیں۔ اُدھر چل نکلا، تو کیا دیکھتا ہے، جو چالیس پچاس رنڈیاں، ایک سے ایک جوبن میں اگلی، جھولا ڈالے پڑی جھول رہی ہیں اور ساون گاتیاں ہیں۔ جو اُنہوں نے اُس کو دیکھا، ''تو کون؟ تو کون؟'' کر چنگھاڑ سی پڑ گئی۔ ان سبھوں میں ایک سے اس کی آنکھ لڑ گئی۔ دوہا اپنی بولی کا:

کوئی کہتی تھی: ''یہ اچکا ہے۔''
کوئی کہتی تھی: ''ایک پکا ہے۔''

وہی جھولنے والی لال جوڑا پہنے ہوئے، جس کو سب رانی کیتکی کہتی تھیں اس کے بھی جی میں اس کی چاہ نے گھر کیا، پر کہنے سننے کو ناہ نوہ بہت سی کی اور کہا: ''اس لگ چلنے کو بھلا کیا کہتے ہیں؟ ہک نہ دھک جو تم جھٹ سے ٹپک پڑے، یہ نہ جانا جو یہاں رنڈیاں اپنے جھولے جھول رہی ہیں؟ اجی تم جو اِس روپ کے ساتھ بے دھڑک چلے آئے ہو، ٹھنڈی ٹھنڈی چھاؤں چلے جاؤ۔''

تب کنور اُودے بھان نے مسوس کے، ملولا کھا کے کہا: ''اتنی رُکھائیاں نہ دیجئے۔ میں سارے دن کا تھکا ہوا ایک پیڑ کی چھاؤں میں اوس کا بچاؤ کر کے پڑ رہوں گا۔ بڑے تڑکے دُھندلکے میں اُٹھ کر جدھر کو منھ پڑے گا چلا جاؤں گا۔ کچھ کسی کا لیتا دیتا نہیں۔ ایک ہرنی کے پیچھے سب لوگوں کو چھوڑ کر گھوڑا پھینکا تھا، جب تلک اجیالا رہا اُسی کے دھیان میں تھا۔ جب اندھیرا چھا گیا، جی بہت گھبرا گیا، ان امریوں کا آسرا ڈھونڈ کر یہاں چلا آیا ہوں، کچھ روک ٹوک تو نہ تھی، جو ماتھا ٹھنک جاتا اور رُک رہتا، سر اُٹھائے ہانپتا چلا آیا، کیا جانتا تھا جو یہاں پد منیاں پڑی جھولتی، پینگیں چڑھا رہی ہیں، پر یوں بدی تھی، برسوں میں بھی جھولا کروں گا۔''

یہ بات سن کر وہ لال جوڑے والی جو سب کی سر دھری تھی، ان نے کہا: ''نہ جی! بولیاں ٹھولیاں نہ مارو۔ ان کو کہہ دو، جہاں جی چاہے اپنے پڑ رہیں اور جو کچھ کھانے پینے

کو مانگیں سوا نہیں پہنچادو۔ گھر آئے کو کسی نے آج تک مار نہیں ڈالا۔ اُن کے منہ کا ڈول، گال تمتمائے اور ہونٹ پڑپڑائے اور گھوڑے کا ہانپنا، اور جی کا کانپنا، اور گھبراہٹ اور تھر تھراہٹ اور ٹھنڈی سانسیں بھرنا اور نڈھال ہو کر گرے پڑنا، ان کو سچا کرتا ہے۔ بات بنائی ہوئی اور سچوٹی کی کوئی چھپتی ہے؟ پر ہمارے اور ان کے بیچ میں کچھ اوٹ سی کسی کپڑے لتے کی کردو۔"

اتنا آسرا پا کے سب سے پرے کونے میں جو پانچ سات چھوٹے چھوٹے پودے سے تھے ان کی چھاؤں میں کنور اُودے بھان نے اپنا بچھونا کیا اور کچھ سرہانے دھر کے چاہتا تھا سو رہے، پر نیند کوئی چاہت کی لگاوٹ میں آتی تھی؟ پڑا پڑا اپنے جی سے باتیں کر رہا تھا۔ جب رات سائیں سائیں بولنے لگی اور ساتھ والیاں سب سو رہیں، رانی کیتکی نے اپنی سہیلی مدن بان کو جگا کر یوں کہا:

اَری او! تو نے کچھ سنا ہے؟ میرا جی اُس پر آگیا اور کسی ڈول سے تھم نہیں سکتا تو میرے سب بھیدوں کو جانتی ہے، اب جو ہونی ہو، سو ہو۔ سر رہتا رہے، یا جاتا جائے، میں اس کے پاس جاتی ہوں۔ تو میرے ساتھ چل! پر تیرے پاؤں پڑتی ہوں، کوئی سننے نہ پاوے۔ اری! یہ میرا جوڑا میرے اور اُس کے بنانے والے نے ملادیا۔ میں اسی لئے جیسے اِن اَمریوں میں آئی تھی۔"

رانی کیتکی، مدن بان کا ہاتھ پکڑے ہوئے وہاں آ پہنچی جہاں کنور اُودے بھان لیٹے ہوئے کچھ سوچ میں پڑے پڑے بڑبڑا رہے تھے۔

مدن بان آگے بڑھ کر کہنے لگی: "اجی تمہیں اکیلا جان کر رانی جی آپ آئی ہیں۔"

کنور اُودے بھان یہ سن کر اُٹھ بیٹھے اور کہا:

"کیوں نہ ہو؟ جی کو جی سے ملاپ ہے۔"

کنور اور رانی دونوں چپ چاپ بیٹھے تھے، پر مدن بان دونوں کو گدگدا رہی تھی۔ ہوتے ہوتے اپنے اپنے سب نے پتے کھولے۔ رانی کا پتا یہ کھلا: راجا جگت پرکاس کی بیٹی ہیں، اور ان کی ماں رانی کام لتا کہلاتی ہیں۔ ایک مہینے پیچھے، ان کو ماں باپ نے کہہ دیا ہے، امریوں میں جا کے جھول آیا کرو۔ آج وہی دن تھا۔ جو تم سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ بہت مہاراجوں کے کنوروں کی باتیں آئیاں پر کسی پر ان کا دھیان نہ چڑھا۔ دھن بھاگ جو تمہارے پاس سب سے چھپ کے، میں جوان کے لڑکپن کی گوئیاں ہوں مجھے اپنے ساتھ لے کے آئی ہیں۔ اب تم اپنی کہانی کہو جو تم کس دیس کے کون ہو"؟

اُنہوں نے کہا:

"میرا باپ سورج بھان اور ماں لچھی باس ہے۔ آپس میں جو گٹھ جوڑا ہو جائے

تو انوکھی اچرج اور اچنبھے کی بات نہیں۔ یونہی آگے سے ہوتا چلا آیا ہے۔
جیسا منہ دیسی تھپیڑ، جوڑ توڑ ٹٹول لیتے ہیں۔ دونوں مہاراجوں کو یہ چت چاہی
بات اچھی لگے گی پر ہم تم دونوں کے جی کا گٹھ جوڑا چاہیے۔"
اس میں مدن بان بول اُٹھی:
"سو تو ہوا۔ اب اپنی اپنی انگوٹھیاں ہیر پھیر کرلو۔ اور آپس میں لکھوتیں
ابھی لکھ دو پھر کچھ ہچر مچر نہ رہے۔"

کنور اُودے بھان نے اپنی انگوٹھی رانی کیتکی کو پہنا دی، اور رانی کیتکی نے بھی اپنی انگوٹھی کنور کی انگلی میں ڈال دی اور دھیمے سے ایک چٹکی بھی لے لی۔

اس میں مدن بان بولی:
"جو سچ پوچھو تو اتنی بھی بہت ہوئی۔ اتنا بڑھ چلنا اچھا نہیں۔ اپنے سر چوٹ
ہے۔ اب اُٹھو، چلو اور ان کو سونے دو اور روئیں تو پڑے رونے دو۔"

بات چیت تو ٹھیک ٹھاک ہو چکی تھی، پچھلے پہر سے رانی تو اپنی سہیلیوں کو لے کر جدھر سے آئی تھیں اُدھر چلی گئیں اور کنور اُودے بھان یہاں اپنے گھوڑے کی پیٹھ لگ کر، اپنے گھر پہنچے۔ پر کنور جی کا روپ کیا کہوں کچھ کہنے میں نہیں آتا۔ نہ کھانا، نہ پینا، نہ لگ چلنا، نہ کسی سے کچھ کہنا، نہ سننا جس دھیان میں تھے اسی میں ڈوبے رہنا، اور گھڑی گھڑی کچھ سوچ کے سر دُھننا۔

ہوتے ہوتے لوگوں میں اس بات کا چرچا پھیل گیا۔ کسی کسی نے مہاراج اور مہارانی سے کہا۔

"کچھ دال میں کالا ہے۔ وہ کنور اُودے بھان جس سے تمہارے گھر کا اجالا
ہے۔ ان دنوں کچھ اس کے بُرے تیور اور بے ڈول آنکھیں دکھائی دیتی ہیں۔
گھر سے باہر پاؤں نہیں دھرتا، گھر والیاں جو کسی ڈول سے کہیں بہلاتیاں ہیں
تو اور کچھ نہیں کرتا ہے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی سانسیں بھرتا ہے اور بہت کسی نے
چھیڑا تو چھپر کھٹ پر جا کے اپنا منہ لپیٹ کے آٹھ آٹھ آنسو پڑا روتا ہے۔"

یہ سنتے ہی کنور اُودے بھان کے ماں باپ دونوں دوڑے آئے۔ گلے لگایا منہ چوما، پاؤں پر بیٹے کے گر پڑے۔ ہاتھ جوڑے اور کہا:

"جو اپنے جی کی بات ہے سو کہتے کیوں نہیں؟ کیا دُکھڑا ہے، جو پڑے پڑے
کراہتے ہو؟ راج پاٹ جس کو چاہو دے ڈالو۔ کہو تو تم کیا چاہتے ہو؟ تمہارا جی
کیوں نہیں لگتا؟ بھلا وہ کیا ہے جو نہیں ہو سکتا۔ منہ سے بولو، جی کو کھولو،
جو کہنے میں کچھ سکتے ہو تو ابھی لکھ بھیجو۔ جو کچھ لکھو گے، جوں کی توں وہی

کرنے میں آوے گی، جو تم کہو کنوئیں میں گر پڑو تو ہم دونوں گر پڑتے ہیں۔ جو کہو سر کاٹ ڈالو، ابھی کاٹ ڈالتے ہیں۔''

کنور اُودے بھان، وہ جو بولتے ہی نہ تھے، لکھ بھیجنے کا آسرا پا کے اتنا بولے:

''اچھا آپ سدھاریے۔ میں لکھ بھیجتا ہوں۔ پر میرے اس لکھے کو میرے منھ پر کسی ڈھب سے نہ لانا، نہیں تو میں بہت لجیاؤں گا۔ اس لئے مارے لاج کے مکھ پاٹ ہو کے، پڑا تھا اور آپ سے میں نے کچھ نہ کہا تھا۔''

پھر کنور نے یہ لکھ بھیجا: اب جو میرا جی گھبرا گیا اور کسی ڈھب سے نہ رہا گیا، اور آپ نے مجھے سوسو روپ سے کھولا اور بہت سا ٹٹولا، تب، لاج چھوڑ کے، ہاتھ جوڑ کے، منھ پھوڑ کے گھگھیا کے یہ لکھتا ہوں۔ دوہا اپنی بولی کا:

چاہ کے ہاتھوں کسی کو سکھ نہیں
ہے بھلا وہ کون جس کو دُکھ نہیں

وہ اس دن جو میں ہریالی دیکھنے کو گیا تھا۔ ایک ہرنی میرے سامنے کنوتیاں اُٹھائے ہوئے ہولی تھی۔ اس کے پیچھے میں نے گھوڑا بگ چھٹ پھینکا تھا۔ جب تک اجالا رہا اسی کی دھن میں بھٹکا کیا۔ جب اندھیرا ہو گیا اور سورج ڈوبا، تب جی میرا بہت اوبھا۔ سہانی سی امریاں تاک کے میں ان میں گیا، تو ان امریوں کا پتا پتا میرے جی کا گاہک ہوا۔ وہاں کا یہ سہیلا ہے۔ کچھ رنڈیاں جھولا ڈالے جھول رہی تھیں۔ ان سب کی سر دھری کوئی رانی کیتکی، مہاراجا جگت پرکاس کی بیٹی ہیں۔ اُنہوں نے یہ انگوٹھی اپنی مجھے دی اور میری انگوٹھی انہوں نے لی، اور لکھوٹ بھی لکھ دی۔ سو یہ انگوٹھی اُن کی لکھوٹ سمیت میرے لکھے ہوئے کے ساتھ پہنچتی ہے۔ آپ دیکھ لیجئے اور جس میں بیٹے کا جی راہ جائے وہ کیجئے۔''

مہاراج اور مہارانی اس بیٹے کے لکھے ہوئے پر سونے کے پانی سے یوں لکھتے ہیں:

''ہم دونوں نے اس انگوٹھی اور لکھوٹ کو اپنی آنکھوں سے ملا۔ اب تم اپنے جی میں کچھ کڑھو پچو مت۔ جو رانی کیتکی کے ماں باپ تمہاری بات مانتے ہیں، تو ہمارے سمدھی اور سمدھن ہیں، دونوں راج ایک ہو جائیں گے اور کچھ تاہ نوہ کی ٹھہرے گی تو جس ڈول سے بن آوے گا، ڈھال تلوار کے بل تمہاری دُلہن ہم تم سے ملا دیں گے۔ آج سے اُداس مت رہا کرو۔ کھیلو کودو، بولو چالو، آنندیں کرو۔ ہم اچھی گھڑی، سُبھ مہورت سوچ کے تمہاری سسرال میں کسی بامھن کو بھیجتے ہیں، جو بات چت چاہی ٹھیک کر لاوے۔''

بامھن جو سبھ گھڑی دیکھ کے ہڑبڑی سے گیا تھا، اس پر بڑی کڑی پڑی۔ سنتے ہی رانی کیتکی کے باپ نے کہا:

''ان کے ہمارے ناتا نہیں ہونے کا۔ اُن کے باپ دادے ہمارے باپ دادوں کے آگے سدا ہاتھ جوڑ کے باتیں کیا کرتے تھے، اور ٹک جو تیوری چڑھی دیکھتے تھے، بہت ڈرتے تھے۔ کیا ہوا جواب وہ بڑھ گئے اور اونچے پر چڑھ گئے؟ جس کے ماتھے ہم بائیں پاؤں کے انگوٹھے سے ٹیکا لگاویں، وہ مہاراجوں کا راجا ہو جائے۔ کس کا منھ جو یہ بات ہمارے منھ پر لائے۔''

بامھن نے جل بھن کے کہا:

''اگلے بھی ایسی ہی کچھ بچارے ہوئے ہیں اور بھری سبھا میں یہی کہتے تھے۔ ہم میں اور ان میں کچھ گوت کی تو میل نہیں ہے، پر کنور کی ہٹ سے کچھ ہماری نہیں چلتی، نہیں تو ایسی اوچھی بات کب ہمارے منھ سے نکلتی۔''

یہ سنتے ہی اُس مہاراج نے بامھن کے سر پر پھولوں کی چھڑی پھینک ماری، اور کہا:

''جو بامھن کی ہتیا کا دھڑکا نہ ہوتا، تو تجھ کو ابھی چکی میں دلواڈالتا۔ اس کو لے جاؤ اور ایک اندھیری کوٹھری میں مُوندر کھو!''

جو اس بامھن پر بیتی، سو سب کنور اُودے بھان کے ماں باپ نے سنتے ہی لڑنے کی ٹھان، اپنا ٹھاٹھ باندھ کر، دل بادل جیسے گھر آتے ہیں، چڑھ آیا۔

جب دونوں مہاراجوں میں لڑائی ہونے لگی، رانی کیتکی ساون بھادوں کے روپ سے رونے لگی اور دونوں کے جی پر یہ آگئی:

''یہ کیسی چاہت ہے جس میں لوہو برسنے لگا اور اچھی باتوں کو جی ترسنے لگا۔''؟

کنور نے چپکے سے یہ لکھ بھیجا:

''اب میرا کلیجا ٹکڑے ٹکڑے ہوا جاتا ہے۔ دونوں مہاراجوں کو آپس میں لڑنے دو۔ کسی ڈول سے جو ہو سکے، تو تم مجھے اپنے پاس بلالو۔ ہم تم دونوں مل کے کسی اور دیس کو نکل چلیں۔ جو ہونی ہو، سو ہو۔ سر رہتا رہے جاتا جائے۔''

ایک مالن جس کو پھول کلی کر، سب پکارتے تھے، اُس نے اس کنور کی چٹھی کسی پھول کی پنکھڑی میں لپیٹ سپیٹ کے رانی کیتکی تک پہنچادی۔

رانی نے اس چٹھی سے آنکھیں اپنی ملیں اور مالن کو ایک تھال بھر کے موتی دیے اور اس چٹھی کی پیٹھ پر اپنے منھ کی پیک سے یہ لکھا:

''اے میرے جی کے گاہک، جو تو مجھے بوٹی بوٹی کر چیل کوؤں کو دے ڈالے تو بھی میری آنکھوں چین، کلیجے سکھ ہو۔ پر یہ بات بھاگ چلنے کی اچھی نہیں، اس میں ایک باپ دادے کو چٹ لگ جاتی ہے اور جب تک ماں باپ جیسا کچھ ہوتا چلا آیا ہے۔ اُسی ڈول سے بیٹا بیٹی کو کسی پر پٹک نہ ماریں اور سر سے کسی

کے چھیک نہ دیں، تب تک یہ ایک جی تو کیا، جو کروڑ جی جاتے رہیں، کوئی بات ہمیں تو رُچتی نہیں۔''

یہ چٹھی پیک بھری جو کنور تک جا پہنچتی ہے، اس پر کئی ایک سونے کے تھال ہیرے موتی، پکھراج کے کھچا کھچ بھرے ہوئے نچھاور کر کے لٹا دیتا ہے اور جتنی اس کی بے کلی تھی جو گئی پچگنی ہو جاتی ہے اور اس چٹھی کو اپنے اس گورے ڈنڈ پر باندھ لیتا ہے۔

آنا جوگی مہندر گر کا کیلاس پہاڑ سے اور ہرن ہرنی کر ڈالنا کنور اودے بھان اور اس کے ماں باپ کا

جگت پرکاس اپنے گرو کو جو کیلاس پہاڑ پر رہتا تھا، یوں لکھ بھیجتا ہے:

''کچھ ہماری سہائے کیجئے۔ مہا کٹھن ہم بپتا ماروں کو پڑی ہے۔ راجا سورج بھان کو اب یہاں تک بھاؤ بھک نے لے لیا ہے، جو انہوں نے ہم سے مہاراجوں سے ناتے کا ڈول کیا ہے۔''

سَراہنا جوگی جی کے استھان کا

کیلاس پہاڑ اکڈال چاندی کا ہے۔ اس پر راجا جگت پرکاس کا گرو مہندر گر، جس کو اندر لوک کے لوگ سب کہتے تھے، دھیان گیان میں کوئی توے لاکھ اتیتوں کے ساتھ ٹھاکر کے بھجن میں دن رات رہا کرتا تھا۔ سونا، روپا، تانبے، رانگے کا بنانا تو کیا اور گٹکا منہ میں لے کے اُڑنا، ورے رہے، اس کو اور اور باتیں اس اس ڈھب کی دھیان میں تھیں، جو کچھ کہنے سننے سے باہر ہیں مینہ سونے روپے کا برسا دینا، اور جس روپ میں چاہنا ہو جانا، سب کچھ اس کے آگے ایک کھیل تھا۔ اور گانے میں اور بین بجانے میں مہادیو چھٹ سب اس کے آگے کان پکڑتے تھے سَرسُتی جس کو ہندو کہتے ہیں آد شکتی، ان نے بھی اسی سے کچھ کچھ گنگنانا سیکھا تھا۔ اس کے سامنے چھ راگ، چھتیس راگنیاں آٹھ پہر روپ بندیوں کا سا دھرے ہوئے اس کی سیوا میں ہاتھ جوڑے کھڑی رہتی تھیں۔ وہاں اتیتوں کو یہ کہہ کر پکارتے تھے: بھیروں گر، بھبھاس گر، ہنڈول گر، میگھ ناتھ، کدار ناتھ، دیپک داس، جوتی سروپ، سارنگ روپ۔ اور اتیتیاں اس ڈھب سے کہلاتی تھیں: گوجری، ٹوڑی، اساوری، گوری، مالسری، بلاولی۔ جب چاہتا تھا اُدھر میں سنگاسن پر بیٹھ کے اڑائے پھرتا تھا۔ اور توے لاکھ اتیت گٹکے اپنے اپنے منہ میں لیے ہوئے گیروے بستر پہنے، جٹا بکھیرے اس کے ساتھ ہوتے تھے۔ جس گھڑی راجا جگت پرکاس کی چٹھی ایک بگولا لے پہنچتا ہے، جوگی مہندر گر ایک چنگھاڑ مار کے دل بادلوں کو تھلکا دیتا ہے۔ بگھمبر پر بیٹھ بھبھوت اپنے

منہ کو مل کچھ کچھ پڑھنت کرتا ہوا باؤ کے گھوڑے کی پیٹھ لاگا اور سب اتیت مرگ چھالوں پر بیٹھے ہوئے گٹکے منہ میں لیے ہوئے بول اُٹھے: ''گورکھ جاگا۔'' ایک آنکھ کی جھپک میں وہاں آ پہنچتا ہے، جہاں دونوں مہاراجوں میں لڑائی ہو رہی تھی۔ پہلے تو ایک کالی آندھی آئی، پھر اولے برسے، پھر ایک ٹڈی آئی کسی کو اپنی سدھ نہ رہی۔ ہاتھی، گھوڑے اور جتنے لوگ اور بھیڑ بھاڑ راجا سورج بھان کی تھی، کچھ نہ سمجھا گیا کدھر گئی، انہیں کون اُٹھا لے گیا۔ اور راجا جگت پرکاس کے لوگوں پر اور رانی کیتکی کے لوگوں پر کیوڑے کی بوندوں کی ننھی ننھی پھوار سی پڑنے لگی۔

جب یہ سب ہو چکا، تو گرو جی نے اپنے اتیتوں سے کہہ دیا:

''اودے بھان، سورج بھان، لچھمی باس ان تینوں کو ہرن ہرنی بنا کر کسی بَن میں چھوڑ دو اور جو ان کے ساتھی ہوں، ان سبھوں کو توڑ پھوڑ دو۔''

جیسا کچھ گرو جی نے کہا جھٹ پٹ وہیں کیا۔ بپت کا مارا اگنور اُودے بھان اور اس کا باپ وہ مہاراجا سورج بھان اور اس کی ماں وہ مہارانی لچھمی باس ہرن ہرنی بن، بن کی ہری ہری گھاس کئی برس تک چگتے رہے، اور اس بھیڑ بھڑکے کا تو کچھ تھل بیڑا نہ ملا جو کدھر گئی اور کہاں تھی۔ یہاں کی یہیں رہنے دو، پھر سنیو۔

اب رانی کیتکی کی بات اور مہاراجا جگت پرکاس کی سنیے۔ ان کے گھر کا گھر گرو جی کے پاؤں پر گرا اور سب نے سر جھکا کر کہا:

''مہاراج یہ آپ نے بڑا کام کیا۔ ہم سب کو رکھ لیا۔ جو آج آپ نہ آ پہنچتے تو کیا رہا تھا۔ سب نے مرنے کی ٹھان لی تھی، ان پاپیوں سے کچھ نہ چلے گی، یہ جان لی تھی راج پاٹ سب ہمارا آپ نچھاور کر کے جس کو چاہیے دے ڈالیے۔ ہم سب کو اتیت بنا کے اپنے ساتھ لیجیے، راج ہم سے نہیں تھم سکتا۔ سورج بھان کے ہاتھوں سے آپ نے بچایا۔ اب کوئی ان کا چچا چندر بھان چڑھ آوے گا، تو کیوں کر بچنا ہوگا؟ اپنے میں تو سکت نہیں، پھر ایسے راج کا پھٹے منہ! کہاں تک آپ کو ستایا کریں گے۔''؟

یہ سن کر جوگی مہندر گر نے کہا:

''تم سب ہمارے بیٹا بیٹی ہو، آنندیں کرو، دندناؤ، سکھ چین سے رہو۔ ایسا وہ کون ہے جو تمہیں آنکھ بھر کر اور ڈھب سے دیکھ سکے؟ یہ بگھمبر اور یہ بھبھوت ہم نے تمہیں دیا۔ آگے جو کچھ ایسی گاڑھ پڑے، تو اس بگھمبر میں سے ایک رونگٹا توڑ کر آگ پر دھر کے پھونک دیجو۔ وہ رونگٹا پھکنے نہ پاوے گا، جو ہم آن پہنچیں گے۔ رہا بھبھوت، سو اس لئے ہے، جو کوئی چاہے جب اسے

انجن کر لے وہ سب کچھ دیکھے اور اسے کوئی نہ دیکھے، جو چاہے کر لے۔ گرو مہندر گر، جن کے پاؤں پوجیے اور دھن مہاراج کہیے، ان سے تو کچھ چھپاؤ نہ تھا، مہاراجا جگت پرکاس ان کو مور چھل کرتے ہوئے رانیوں کے پاس لے گئے۔ سونے روپے کے پھول ہیرے موتی گود بھر بھر سب نے نچھاور کیے اور ماتھے رگڑے۔ انہوں نے سب کی پیٹھیں ٹھونکیں۔ رانی کیتکی نے بھی ڈنڈوت کی، پر جی ہی جی میں بہت سی گرو جی کو گالیاں دیں۔ گرو جی سات دن سات راتیں یہاں رہ کے راجا جگت پرکاس کو سنگاسن پر بٹھا کے اپنے اس بکمبھر پر بیٹھ، اسی ڈول سے کیلاس پہاڑ پر آدھمکے۔ راجا جگت پرکاس اپنے اگلے ڈھب سے راج کرنے لگے۔"

رانی کیتکی کا مدن بان کے آگے رونا اور پچھلی باتوں کا دھیان کر کے جی سے ہاتھ دھونا

اپنی بولی کے دوہوں میں
رانی کو بہت سی بے کلی تھی
کب سوجھتی کچھ بُری بھلی تھی
چپکے چپکے کراہتی تھی
جینا اپنا نہ چاہتی تھی
کہتی تھی کبھی: "اری مدن بان
ہے آٹھ پہر مجھے وہی دھیان
یاں پیاس کسے بھلا کسے بھوکھ
دیکھوں ہوں وہی ہرے ہرے رُوکھ
ٹپکے کا ڈر ہے، اب یہ کہیے
چاہت کا گھر ہے، اب یہ کہیے
امریوں میں ان کا وہ اترنا
اور رات کا سائیں سائیں کرنا
اور چپکے سے اُٹھ کے میرا جانا
اور تیری وہ چاہ کا جتانا
اُن کی وہ اُتار انگوٹھی لینی
اور اپنی انگوٹھی ان کو دینی

آنکھوں میں مری وہ پھر رہی ہے
جی کا جو روپ تھا وہی ہے

کیوں کر اُنہیں بھولوں کیا کروں میں
ماں باپ سے کب تلک ڈروں میں

اب میں نے سنا ہے، اے مدن بان!
بن بن کے ہرن ہوئے اودے بھان

چرتے ہوں گے ہری ہری دوب
کچھ تو بھی پسیج سوچ میں ڈوب

میں اپنی گئی ہوں چوکڑی بھول
مت مجھ کو سنگھا یہ ڈھڈھے پھول

پھولوں کو اٹھا کے یاں سے لے جا
سو ٹکڑے میرا ہوا کلیجا

بکھڑے جی کو نہ کر اکٹھا
اک گھاس کالا کے رکھ دے گٹھا

ہریالی اُسی کی دیکھ یوں میں
کچھ اور تو تجھ کو کیا کہوں میں

ان آنکھوں میں ہے بھڑک ہرن کی
پلکیں ہوئیں جیسی گھاس بن کی

جب دیکھیے ڈبڈبا رہی ہیں
اوسیں آنسو کی چھا رہی ہیں

یہ بات جو جی میں گڑ گئی ہے
اک اوس سی مجھ پہ پڑ گئی ہے

اسی ڈول سے جب اکیلی ہوتی تھی، تب مدن بان کے ساتھ ایسے ہی کچھ موتی پروتی تھی۔

بھبھوت مانگنا رانی کیتکی کا اپنی ماں رانی کام لتا سے آنکھ مچول کھیلنے کے لئے اور روٹھ رہنا، اور اجاگت پرکاس کا بلانا اور پیار سے کچھ کچھ کہنا اور وہ بھبھوت دینا

ایک رات رانی کیتکی نے اپنی ماں رانی کام لتا کو بھلاوے میں ڈال کے یہ پوچھا:
"گرو جی گسائیں مہندر نے جو بھبھوت میرے باپ کو دیا تھا، وہ کہاں رکھا ہوا

ہے اور اس سے کیا ہوتا ہے۔''؟

''میں تیرے واری! تو کیوں پوچھتی ہے۔''؟

رانی کیتکی کہنے لگی:

''آنکھ مچول کھیلنے کے لئے چاہتی ہوں۔ جب اپنی سہیلیوں کے ساتھ کھیلوں اور چور بنوں تو کوئی مجھ کو پکڑ نہ سکے۔''

رانی کام لتا نے کہا:

''وہ کھیلنے کے لئے نہیں ہے۔ ایسے لٹکے کسی برے دن کو سنبھالنے کے لئے ڈال رکھتے ہیں۔ کیا جانے کوئی گھڑی کیسی ہے، کیسی نہیں۔''

رانی کیتکی ماں کی اس بات سے اپنا منہ ٹھتھا کے اُٹھ گئی اور دن بھر کھانا نہ کھایا۔ مہاراج نے جو بلایا، تو کہا: ''مجھے رُچ نہیں۔'' تب رانی کام لتا بول اُٹھیں۔

''اجی، تم نے کچھ سنا بھی یا نہیں۔ بیٹی تمہاری آنکھ مچول کھیلنے کے لئے وہ بھبھوت گروجی کا دیا ہوا مانگتی تھی۔ میں نے نہ دیا اور کہا: ''لڑکی یہ لڑکپن کی باتیں اچھی نہیں۔ کسی بُرے دن کے لئے گروجی دے گئے ہیں۔ اسی پر مجھ سے روٹھی ہے۔ بہتیرا بہلاتی پھسلاتی ہوں، مانتی نہیں۔''

مہاراج نے کہا:

''بھبھوت تو کیا مجھے تو اپنا جی بھی اس سے پیارا نہیں۔ اس کے ایک گھڑی کے بہل جانے پر ایک جی تو کیا، جو لاکھ جی ہوں تو دے ڈالیئے۔'' رانی کیتکی کو ڈبیا میں سے تھوڑا سا بھبھوت دیا۔ کئی دن تلک آنکھ مچول اپنے ماں باپ کے سامنے سہیلیوں کے ساتھ کھیلتی، سب کو ہنساتی رہی، جو سو سو تھال میں موتیوں کے نچھاور ہوا کیے۔ کیا کہوں ایک چہل تھی، جو کہیے کروڑوں پوتھیوں میں جیوں کی تیوں نہ آسکے۔''

رانی کیتکی کا چاہت سے بیکل ہو اپھرنا اور مدن بان کا ساتھ دینے سے نہیں کرنا

ایک دن رانی کیتکی اسی دھیان میں اپنے 'مدن بان سے کہہ اُٹھی:

''اب میں نگوڑی لاج سے کٹ کرتی ہوں، تو میرا ساتھ دے۔''

مدن بان نے کہا: ''کیوں کر۔''؟

رانی کیتکی نے وہ بھبھوت کا لینا اسے جتایا، اور یہ سنایا:

''سب یہ آنکھ مچول کی چہلیں میں نے اسی دن کے لئے کر رکھی تھیں۔''

مدن بان بولی:

''میرا کلیجا تھر تھرانے لگا۔ یہ میں نے مانا جو تم اپنی آنکھوں میں اس بھبھوت کا انجن کر لو گی اور میرے بھی لگا دو گی، تو ہمیں تمہیں کوئی نہ دیکھے گا اور ہم تم سب کو دیکھیں گے، پر ایسے ہم کہاں کے جی چلے ہیں جو بن کے ساتھ۔ جو بن لئے بن بن پڑے بھٹکا کریں اور ہرنوں کے سینگوں میں دونوں ہاتھ ڈال کر لٹکا کریں، اور جس کے لئے یہ سب کچھ ہے سو وہ کہاں ہوں گے۔؟ جو یہ رانی کیتکی جی اور مدن بان نگوڑی اُجڑی نچی کھسوٹی ان کی سہیلی ہے۔ چولھے اور بھاڑ میں جائے ایسی چاہت جس کے لئے ماں باپ، راج پاٹ، سکھ نیند، لاج کو چھوڑ کر ندیوں کے کچھاروں میں پھرنا پڑے۔! سو بھی بے ڈول۔ جو وہ اپنے روپ میں ہوتے، تو تھوڑا بہت آسرا تھا۔ نہ جی! یہ ہم سے نہ ہو سکے گا۔ جو مہاراج جگت پرکاس اور مہارانی کام لتا کا ہم جان بوجھ کر گھر اُجاڑیں اور ان کی بیٹی جو اکلوتی لاڈلی ہے۔ اُس کو بہکا کے لے جاویں اور جہاں تہاں اسے بھٹکا دیں اور بناس پتی کھلا دیں، اور اپنے چونڈے کو منڈا دیں۔ بھلا جب تمہارے اور اس کے ماں باپ میں لڑائی ہو رہی تھی اور ان نے اُس مالن کے ہاتھ تمہیں لکھ بھیجا تھا:، جو مجھے پاس اپنے کسی ڈول سے بلالو۔ دونوں مہاراجوں کو آپس میں لڑنے دو۔ جو ہونی ہو سو ہو، ہم تم مل کے کسی اور دیس کو نکل چلیں۔ اس دن نہ سمجھی، تب تو اپنے منھ کی پیک سے، اُس کی چٹھی کی پیٹھ پر جو یہ لکھا تھا: جب تلک جیسا کچھ آگے سے ہوتا چلا آیا ہے، اسی ڈول سے، اسی روپ سے نہ ہو، کوئی بات ہمیں تو رُچتی نہیں، اور بھاگنے میں باپ دادے کو ایک چٹ لگ جاتی ہے۔ اس دن تو وہ تاؤ بھاؤ دکھایا تھا اب جو وہ کنور اُودے بھان اور ان کے ماں باپ تینوں جنے بن بن کے ہرن ہرنی بنے ہوئے کیا جانیے کدھر ہوں گے؟ انکے دھیان پر وہ کر بیٹھے جو کسی نے تمہارے گھرانے بھر میں نہیں کی۔ اس بات پر مٹی ڈالو، نہیں تو بہت پچھتاؤ گی اور اپنا کیا پاؤ گی۔ مجھ سے تو یہ نہ ہو سکے گا۔ تمہاری اچھی بات کچھ ہوتی تو منھ سے جیتے جی نہ نکالتی، پر یہ بات میرے پیٹ میں پچ نہیں سکتی۔ تم ابھی الھڑ ہو۔ تم نے کچھ دیکھا نہیں۔ پر جو ایسی بات پر سچ مچ تمہیں دبلا دیکھوں گی، تو تمہارے ماں باپ سے کہہ کر، وہ بھبھوت جو موا نگوڑا بھوت، مچھندر کا پوت، ابدھوت دے گیا ہے، ہاتھ مڑوڑوا کے چھنوالوں گی۔''

رانی کیتکی نے یہ رُکھائیاں مدن بان کی سن کر ہنس کے ٹال دیا اور کہا:

''جس کا جی ہاتھ میں نہ ہو، اسے ایسی لاکھوں کروڑوں سوجھتی ہیں پر کہنے اور کرنے سے بڑا پھیر ہے۔ یہ بھلا کوئی بات ہے، جو میں ماں باپ کو چھوڑ کر ہرنوں کے پیچھے پڑی دوڑتی، کرچھالیں مارتی پھروں۔ پراری! تو بڑی باؤلی چڑیا ہے۔ جو تو نے یہ بات سچ جانی اور مجھ سے لڑنے لگی۔''

رانی کیتکی کا بھبھوت آنکھوں میں لگا کے گھر سے باہر نکل جانا اور سب لوگوں کا تلملانا

دس پندرہ دن پیچھے ایک رات رانی کیتکی بن کہے مدن بان کے وہ بھبھوت آنکھوں میں لگا کے گھر سے باہر نکل گئی۔ کچھ کہنے میں نہیں آتی جوان کے ماں باپ پر بیتی۔ سب نے یہ بات ٹھہرائی، گروجی نے کچھ سمجھ کر رانی کیتکی کو اپنے پاس بلالیا ہوگا۔ راجا جگت پرکاس اور مہارانی کام لتا راج پاٹ سب کچھ اس بروگ میں چھوڑ چھاڑ کر، ایک پہاڑ کی چوٹی پر جا بیٹھے اور کسی کو اپنے لوگوں میں سے راج تھامنے کے لئے چھوڑ گئے۔ بہت دنوں پیچھے ایک دن مہارانی کام لتا نے مہاراجا جگت پرکاس سے کہا:

''رانی کیتکی کا بھید جو کچھ جانتی ہوگی تو مدن بان ہی جانتی ہوگی۔ اسے بلا کر تو پوچھو۔''

مہاراج نے اس کو بلا کر پوچھا، تب مدن بان نے وہ سب باتیں کھولیاں رانی کیتکی کے ماں باپ نے سن کے کہا:

''اری مدن بان جو تو بھی اس کے ساتھ ہوتی تو کچھ ہمارا جی ٹھہرتا۔ اب جو تجھ سے ہو سکے تو اس بپت میں ہمارا ساتھ دے، اور کچھ ہیر پھیر نہ کر۔ جتنا بھبھوت ہے تو اپنے پاس رکھ۔ ہم کیا اس راکھ کو چولھے میں ڈالیں گے۔!

گروجی نے تو دونوں راجوں کا کھوج کھویا۔ کنور اُودے بھان اور اس کے ماں باپ تو دوں ٹھور ہے اور جگت پرکاس اور کام لتا کو یوں تلپٹ کیا۔ بھبھوت نہ ہوتا تو یہ باتیں کاہے کو سامنے آتیں؟''

بدان مدن بان بھی ان کے ڈھونڈنے کو نکلی۔ انجن لگائے ہوئے ''رانی کیتکی۔ رانی کیتکی'' کہتی پھرتی تھی۔ بہت دنوں میں کہیں رانی کیتکی بھی ہرنوں کی ڈاروں میں ''اودے بھان۔ اُودے بھان'' چنگھاڑتی ہوئی آنکلی۔ جو ایک نے ایک کو تاڑ کر یوں پکارا، اور کہا:

''اپنی اپنی آنکھیں دھو ڈالو۔''

اور ایک ڈیرے پر بیٹھ کر دونوں کی مُڈ بھیڑ ہوئی۔ گلے مل کے ایسی روئیاں جو

پہاڑوں میں کوک سی پڑگئی۔ دوہا اپنی بولی کا:

چھا گئی ٹھنڈی سانس جھاڑوں میں
پڑگئی کوک سی پہاڑوں میں

دونوں جنیاں ایک ٹیلے پر اچھی سی چھاؤں تاڑ کر آبیٹھیاں اور اپنی اپنی باتیں دہرانے لگیاں۔

بات چیت مَدن بَان کی رانی کیتکی کے ساتھ

رانی کیتکی نے اپنی بیتی سب کہی، اور مدن بان وہی اگلا جھینکنا جھینکا کی اور اس کے ماں باپ نے ان کے لئے جو جوگ سادھا اور جو بروگ لیا تھا سب کہا۔ جب یہ کہہ چکی تو پھر ہنسنے لگی۔ رانی کیتکی نے اس کے ہنسنے پر رُک کر، ٹھنڈی سانس بھر کر کہا:

''ہم نہیں ہنسنے سے روکتے، جس کا جی چاہے ہنسے ہے وہی اپنی کہاوت: آپھنسے جی آپھنسے اب تو سارا اپنے پیچھے جھگڑا جھانٹا لگ گیا پاؤں کا کیا ڈھونڈتی ہے؟ جی میں کانٹا لگ گیا۔''

پر مدن بان، رانی کیتکی کے کچھ آنسو پونچھتی چلی۔ اُن نے یہ بات ٹھہرائی ''جو تم کہیں ٹھہرو، تو میں تمہارے اُن دونوں اُجڑے ہوئے ماں باپ کو چپ چاپ یہاں لے آؤں اور انہوں سے اس بات کو ٹھہراؤں۔ گسائیں مہندر گر، جس کی یہ سب کرتوت ہے۔ وہ تو اُنہیں دونوں اُجڑے ہوؤں کی مٹھی میں ہے۔ اب بھی جو میرا کہا تمہارے دھیان چڑھے تو، گئے ہوئے دن پھر، پھر سکتے ہیں۔ پر تمہارے کچھ بھاویں نہیں۔ جو ہم کیا پڑے بکتے ہیں۔ میں اس پر بیڑا اُٹھاتی ہوں۔''

بہت دنوں میں رانی کیتکی نے اس پر کہا۔ ''اچھا'' اور مدن بان کو اپنے ماں باپ پاس بھیجا، اور چٹھی اپنے ہاتھوں سے لکھ دی۔

''جو آپ سے ہو سکے تو اُس گروسے یہ ٹھہرا کے آویں۔''

مَدن بَان کا مہاراج اور مہارانی کے پاس پھر آنا اور من مانی بات کا سنانا

مدن بان، رانی کیتکی کو اکیلا چھوڑ کر، راجا جگت پرکاس اور رانی کام لتا جس پہاڑ پر بیٹھے ہوئے تھے، وہاں جھٹ سے آدیس کر کے آکھڑی ہوئی اور کہنے لگی:

''لیجے اب راج کیجئے، آپ کا گھر نئے سر سے بسا، اور اچھے دن آئے۔ رانی کا ایک بال بھی بیکا نہیں ہوا۔ ان کے ہاتھ کی یہ چٹھی لائی ہوں۔ اب آپ پڑھ لیجئے، آگے جو چاہے سو کیجئے۔''

مہاراج نے پڑھتے ہی اسی بگھمبر سے ایک رونگٹا توڑ کر آگ پر دھر دیا۔ بات کی بات میں گوسائیں مہندر گر آپہنچے اور جو نیا سانگ جوگی اور جوگن کا بنا تھا، آنکھوں دیکھا ۔ سب کو چھاتی سے لگا کر کہا :

''بگمبھر تو اس لئے میں نے سونپا تھا جو تم پر کچھ ایسی ہوئے تو اس کا ایک بال پھونک دیجو۔ تمہاری یہ گت ہو گئی۔ اب تک تم کیا کر رہے تھے۔ اور کن نیندوں سوتے تھے ۔ ؟ پر تم کیا کرو؟ وہ کھلاڑی جو جو روپ چاہے سو دکھادے ، اور جو جو ناچ چاہے سو نچادے ۔ بھبھوت لڑکی کو کیا دینا تھا۔ ہرن ہرنی تو اُودے بھان اور سورج بھان اس کے باپ ، اور لچھی باس ، اس کی ماں کو میں نے کیا تھا۔ میرے آگے پھر ان تینوں کو جیسے کا تیسا کرنا کچھ بڑی بات نہیں۔ اچھا جو ہوئی سو ہوئی، اب چلو اُٹھو، اپنے اپنے راج پر براجو اور بیاہ کے ٹھاٹھ کرو۔ اب تم اپنی بیٹی کو سمیٹو۔ کنور اودے بھان کو میں نے اپنا بیٹا کیا۔ اس کو لے کے میں بیاہنے چڑھوں گا۔''

مہاراج یہ سنتے ہی اپنی راج گدی پر آبیٹھے۔ اور اس گھڑی کہہ دیا:

'' ساری چھتوں کو اور کوٹھوں کو گوٹے سے منڈھ دو۔ اور سونے روپے کے سنہرے رُوپہرے سہرے سب جھاڑ اور پہاڑ باندھ دو۔ اور پیڑوں میں موتیوں کی لڑیاں گوندھ دو اور کہہ دو، چالیس دن، چالیس رات جس گھر میں ناچ آٹھ پہر نہ ہوگا اس گھر والے سے میں روٹھ رہوں گا اور جانوں گا یہ میرے دُکھ سُکھ کا ساتھی نہیں۔''

چھ مہینے جد کوئی چلنے والا کہیں نہ ٹھہرے اور رات دن چلا جائے اس ہیر پھیر میں وہ راج تھا، سب کہیں یہی ڈول تھا۔

جانا مہاراج اور مہارانی اور مہندر گر کا رانی کیتکی کے لینے کو

پھر گروجی اور مہارانی اور مہاراج، مدن بان کے ساتھ چُپ چپاتے وہاں آپہنچے جہاں رانی کیتکی چپ چاپ، سُون کھینچے بیٹھی تھی۔ گروجی نے رانی کیتکی کو اپنی گود میں لے کے کنور اُودے بھان کا چڑھاوا چڑھا دیا اور کہا:

''تم اپنے ماں باپ کے ساتھ اپنے گھر سدھارو۔ اب میں اپنے بیٹے کنور اُودے بھان کو لیے ہوئے آتا ہوں۔''

گروجی گوسائیں، جن کو ڈنڈوت ہے، سو تو دوں سدھارتے ہیں۔ آگے جو ہوگی

سو کہنے میں آوے گی۔

یہاں کی یہ دھوم دھام اور پھیلا وادھیان کیجئے۔ مہاراجا جگت پرکاس نے اپنے سارے دیس میں کہا:

''یہ پُکار دیں: جو نہ کرے گا اُس کی بُری گت ہو گی۔ گاؤں گاؤں میں آمنے سامنے ترپولیے بنا بنا کے سوہے کپڑے اُن پر لگادو، اور گوٹے، دھنک اور ادر گوکھر در دپہرے سُنہرے اور کرنیں ڈانک دے کر ٹانک ٹانک رکھو۔ اور جتنے بڑ، پیپل کے پُرانے پرانے پیڑ جہاں جہاں ہوں، ان پر گوٹے کے پھولوں کے سہرے سُنہرے روپہرے ایسے جس میں لگا سر سے جڑ تلک ان کی تھلک اور جھلک پہنچے باندھ دو۔'' چوتکہ

پودوں نے رنگا کے سوہے جوڑے پہنے
سب پاؤں میں ڈالیوں نے توڑے پہنے
بوٹی بوٹی نے پھول پھل کے گہنے
جو بہت نہ تھے تو تھوڑے تھوڑے پہنے

جتنے ڈہڈ ہے اور ہریادل میں لہلہے پات تھے، سب نے اپنے اپنے ہاتھ میں چھچھی مہندی کی رچاوٹ، سجاوٹ کے ساتھ جتنی سماوٹ سما سکی، کرلی اور جہاں تک نول بیاہی دُلہنیں ننھی ننھی پھلیوں کی، اور سہاگنیں نئی نئی کلیوں کی، نئے نئے جوڑے پنکھڑیوں کے پہنے ہوئے تھیں، سب نے اپنی اپنی گود سہاگ پیار کے پھول اور پھلوں سے بھر لی، اور تین برس کا پیسا، اس راجا کے راج بھر میں جو لوگ دیا کرتے تھے، سب ایک کو چھوڑ دیا، جو اپنے اپنے گھروں میں بیاہ کے ٹھاٹھ کریں۔ اور جتنے راج بھر میں کنویں تھے کھنڈ سالوں کی کھنڈ سالیں ان میں اُنڈیلی گئیں اور سارے بنوں میں اور پہاڑ تلیوں میں لالٹینوں کی جھم جھماہٹ راتوں کو دکھائی دینے لگی۔ اور جتنی جھیلیں تھیں ان سب میں کُسم اور ٹیسو، اور ہار سنگار پڑ گیا، اور کیسر بھی تھوڑی تھوڑی گھولے میں آگئی اور پھُننگ سے لگا جڑ تلک جتنے جھاڑ جھنکاڑوں میں پتے اور پتوں کے بندھے چھتے تھے، اُن پر رُوپہرے سُنہرے ڈانک گوند لگا لگا کے چپکا دیے اور سبھوں کو کہہ دیا گیا: جو سو ہی پگڑی اور سوہے باگے بن کوئی کسی ڈول، کسی رُوپ سے نہ پھرے چلے۔ اور جتنے منگلا مکھی بھانڈ، بھگتیے، رہس دھاری اور سنگیت پر ناچنے والے ہوں، سب کو کہہ دیا، جن جن گاؤں میں جہاں جہاں ہوں اپنے اپنے ٹھکانوں سے نکل کر اچھے اچھے بچھونے بچھا بچھا کر گاتے بجاتے دُھومیں مچاتے، ناچتے کودتے رہا کریں۔'' یہاں کی بات اور چہلیں جو کچھ ہیں، سو یہیں رہنے دو، اب آگے سنو۔

☆☆☆

ڈھونڈنا گرو مہندر گِر کا کنور اُودے بھان اور اس کے ماں باپ کو

جوگی مہندر گر اور اُس کے تو ے لاکھ اتیتوں نے سارے بَن کے بن چھان مارے، کہیں کنور اُودے بھان اور اس کے ماں باپ کا ٹھکانا نہ لگا۔ تب اس نے راجا اندر کو چٹھی لکھ بھیجی۔ اور اس میں یہ لکھا تھا۔

''کنور اُودے بھان اور سورج بھان، اس کی ماں لچھمی باس، ان تینوں جنوں کو میں نے ہرن ہرنی کر ڈالا تھا۔ اب اُن کو ڈھونڈتا ہوں کہیں نہیں ملتے۔ میری جتنی سکت تھی، اپنی سی کر چکا ہوں اور اب میرے منھ سے نکلا، کنور اودے بھان میرا بیٹا اور میں اس کا باپ۔ اس کی سسرال میں سب بیاہ کے ٹھاٹھ ہو رہے ہیں۔ اب مجھ پر نپٹ گاڑھ ہے۔ جو تم سے ہو سکے سو کرو۔''

راجا اندر نے گرو مہندر گر کی چٹھی دیکھتے ہی سب اندر اسن سمیت آپ آن پہنچے اور کہا:

''جیسا آپ کا بیٹا، تیسا میرا بیٹا۔ آپ کے ساتھ میں سارے اندر اسن کو سمیٹ کے کنور اُودے بھان کو بیاہنے چڑھوں گا۔''

گسائیں مہندر گر نے راجا اندر سے کہا:

''ہماری آپ کی ایک ہی بات ہے پر کچھ ایسا سوچیے، جس میں وہ کنور اُودے بھان ہاتھ آوے۔ یہاں جتنے گوئیے اور گائنیں ہیں، ان سب کو ساتھ لے کے ہم اور آپ سارے بنوں میں پھریں۔ کہیں نہ کہیں ٹھکانہ لگ جائے گا۔''

ہرن ہرنی کے کھیل کا بگڑنا اور کنور اُودے بھان اور ان کے ماں باپ کا نئے سر سے روپ پکڑنا

ایک رات راجا اندر اور گسائیں مہندر گر، کنور اُودے بھان کو ڈھونڈ ڈھانڈ کر گھبرائے ہوئے نکھری چاندنی میں بیٹھے راگ سن رہے تھے۔ اور کروڑوں ہرن ہرنی آس پاس راگ کے دھیان میں سر جھکائے چوکڑی بھولے کھڑے تھے۔ اس میں راجا اندر نے کہہ دیا۔

''ان ہرن ہرنیوں پر ''میرے 'بھگت، گرو کی سکت'

پھرے منتر وایشور دباچا'' پڑھ کے ایک ایک چھینٹا پانی کا تو دو۔''

کیا جانے وہ پانی کیسا تھا! پانی کے چھینٹے کے ساتھ ہی اودے بھان اور اس کے ماں

باپ تینوں جنے ہرنوں کا روپ چھوڑ کر جیسے تھے ویسے ہی ہو گئے۔

گسائیں مہندر گر اور راجا اندر نے ان تینوں کو گلے لگایا اور بڑی آؤ بھگت سے اپنے پاس بٹھایا اور وہی پانی کا گھڑا اپنے لوگوں کو دے کر وہاں بھجوایا، جہاں سر منڈاتے ہی اولے پڑے تھے۔ راجا اندر کے لوگوں نے جو پانی کے چھینٹے دہی "ایشور دباچا" پڑھ کے دیے، وہ ہیں جو جو مرمٹے تھے سو سب اُٹھ کھڑے ہوئے اور جو جو اَدھ موئے بھاگ بچے تھے، سب کے سب سمٹ آئے۔

راجا اندر اور گسائیں مہندر گر، اُودے بھان اور راجا سورج بھان اور انی پچھمی باس کو لے کر ایک اُڑن کھٹولے پر بیٹھ کر، بڑی دُھوم دھام سے ان کو، ان کے راج پر بٹھا کے بیاہ کے ٹھاٹھ کرنے لگے۔ پنسیر یوں ہیرے، موتی ان سب پر سے نچھاور ہوئے۔ راجا سورج بھان اور رانی پچھمی باس چت چاہی آس پاکر پھو' لے آپ میں نہ سماتے تھے اور اپنے سارے راج کے لوگوں کو کہہ دیا:

"جونرے بھونرے کے منھ کھول دو اور جس کو جو جو اکت سوجھے، بول دو! آج کے دن سے اور کون سادن ہو گا؟ ہماری آنکھوں کی پُتلیوں کا جس سے چین ہے، اس لاڈلے اکلوتے کا بیاہ ہے اور ہم تینوں کا ہرنوں کے روپ سے نکل کر پھر راج پر بیٹھنا۔ پہلے تو یہ چاہیے جن جن کی بیٹیاں، بن بیاہیاں، کنواریاں بالیاں ہیں، ان سب کو بیاہ دو۔ جس جس چاؤ سے چاہیں، اپنی اپنی گڑیاں سنوار کے اُٹھا دیں اور جب تلک جیتی رہیں ہمارے یہاں سے سب کی سب کھایا پیا، پکایا رندھایا کریں۔ اور سب راج بھر کی بیٹیاں سدا سہاگن بنی رہیں اور سوہے راتے چھٹ کبھی کوئی کچھ اور نہ پہنا کریں اور سونے روپے کے کواڑ گنگا جمنی سب گھروں میں لگ جائیں اور سب کوٹھوں کے ماتھوں پر کیسر اور چندن کے ٹیکے لگے ہوں۔ اور جتنے پہاڑ ہمارے دیس میں ہوں، بادلوں سے چھادو، اور سب ڈانگوں کی چوٹیاں موتیوں کی مانگ سے بن مانگے تانگے بھر جائیں، اور پھولوں کے گہنے، بندھنواروں سے سب جھاڑ پہاڑ لدے پھندے رہیں اور اس راج سے اُس راج تلک اَدھر میں چھت سی باندھ دو۔ چپا چپا کہیں ایسا نہ رہے جہاں بھیڑ بھڑ کا دُھوم دھڑ کا نہ ہو جائے۔ چاہیے، پھول اتنے بہت سارے کھنڈ جائیں، جو ندیاں جیسے سچ مچ پھولوں کی بہتیاں ہیں، یہ سمجھا جائے اور یہ ڈول کر دو، جدھر سے دولہا کو بیاہنے چڑھیں سب ہیرے اور پکھراج کی اِدھر اُدھر کنول کی ٹٹیاں بن جائیں اور کیاریاں سی ہو جائیں، جن کے بیچوں بیچ سے ہو نکلیں اور کوئی ڈانگ اور پہاڑ تلی کا کوئی

چڑھاؤ اُتار ایسا دکھائی نہ دے جس کی گود پکھروٹوں اور پھولوں پھلوں سے بھری بھتولی نہ ہو۔"

راجا اندر کا کنور اُودے بھان کے بیاہ کا ٹھاٹ کرنا

راجا اندر نے کہہ دیا:

"وہ رنڈیاں اچپلیاں اور اپچھریاں جو اپنے جوبن کے مدھ میں اڑ چلیاں ہیں، اُن سے کہہ دو سولہ سنگار، بال بال گج موتی پروو، اور اپنے اپنے اچرج اور اچنبھے کے اڑن کھٹولے پر اس راج سے اس راج تک اُدھر میں چھت سی باندھ دو، پر کچھ اس روپ سے اُڑ چلو جو اُڑن کھٹولوں کی کیاریاں اور پھلواریاں سی سیکڑوں کوس تک ہو جائیں اور اوپر ہی اوپر مردنگ بین، جلترنگ اور منہ چنگ، گھنگھروؤں کی تال، تبلے، کھٹ تال اور سیکڑوں اسی ڈھب کے باجے انوکھے بجتے آئیں۔ اور ان کی کیاریوں کے بیچ سے ہیرے پکھراج، ان بیدھے موتی کے جھاڑ اور لالٹینوں کی بھیڑ بھاڑ جھم جھماہٹ راتوں کو دکھائی دے۔ اور اُنہیں لالٹینوں میں سے ہتھ پھول، پھلجھڑی، جاہی، جوہی، کدم، گیندا، چمبیلی اس ڈھب سے چھوٹیں جو دیکھنے والوں کی چھاتی کے کواڑ کھل جائیں اور پٹاخے جو اُچھل اُچھل کے پھوٹیں، اُن میں سے ہنستا پان اور بولتی سپاری ڈھل ڈھل پڑیں۔ اور جب تم سب کو ہنسی آجائے تو چاہیے اس ہنسی میں سے موتی کی لڑیاں جھڑیں جو سب کے سب ان کو چُن چُن کے راج کے راجے ہو جائیں۔ ڈومنیوں کے روپ میں سارنگیاں چھیڑ چھیڑ سوہلے گاؤ، دونوں ہاتھ ہلاؤ، انگلیاں نچاؤ، جو کسی نے نہ سنے ہوں، وہ تاؤ بھاؤ، اور آؤ جاؤ دکھاؤ، ٹھڈیاں کپکپاؤ اور ناک بھوں تان تان بھاؤ بتاؤ کوئی پُھٹ کر رہ نہ جاؤ۔"

ایسا جماؤ لاکھوں برس میں ہوتا ہے۔ جو جو راجا اندر نے اپنے منہ سے کہہ دیا تھا۔ سب کچھ اُسی روپ سے ٹھیک ٹھاک ہوگیا۔ جس بیاہ کی یہ پھیلاوٹ اور رچاوٹ اور جماوٹ اوپر تلے اس جمگھٹ کے ساتھ ہوگی، اس کا اور کچھ پھیلاوا کیسا کچھ ہوگا؟ یہی دھیان کرلو۔!

ٹھاٹھ کرنا گسائیں مہندر گر کا

جب کنور اُودے بھان کو اس رُوپ سے بیاہنے چڑھے اور وہ باہمن جو اندھیری کوٹھری میں مُند اہوا تھا، اُس کو بھی ساتھ لے لیا اور بہت سے ہاتھ جوڑے اور کہا:

''باھمن دیوتا ہمارے کہنے سننے پر نہ جاؤ، اور تمہاری جو ریتیں ہوتی چلی آئی ہوں، سو بتاتے چلو۔''

ایک اُڑن کھٹولے پر بیٹھ کے وہ بھی ریت بھات بتانے کو ساتھ ہولیا۔ راجا اندر اور گسائیں مہندر گر ایرابت ہاتھی پر جھومتے جھامتے دیکھتے بھالتے سارا اکھاڑا لیے چلے جاتے تھے، اور راجا سورج بھان دولہا کے گھوڑے کے ساتھ مالا جپتا ہوا پیدل تھا۔ اتنے میں ایک سناٹا ہوا، سب لوگ گھبرا گئے۔ اس سناٹے میں وہ جوگی کے تو بے لاکھ اتیت تھے، سب کے سب جوگی بنے ہوئے، سیلی تاگے، موتی کی لڑیوں کے گلے میں ڈالے، گاتیاں اس ڈھب کی باندھے، مرگ چھالوں اور بگھمبروں پر آ ٹھہرکے۔ لوگوں کے جیوں میں جتنی اُمنگیں چھا رہی تھیں، وہ چوگنی پچگنی ہوگیاں۔ سکھپال، اور چنڈولوں اور رتھوں پر جتنی رانیاں، مہارانی لچھمی باس کے پیچھے چلی آتیاں تھیں، سب کو گدگدیاں سی ہونے لگیں۔

اس میں کہیں بھرتری کا سانگ آیا، کہیں جوگی جے پال آکھڑے ہوئے، کہیں مہادیو اور پاربتی دکھائی پڑے۔ کہیں گورکھ جاگے، کہیں مچھندرناتھ بھاگے۔ کہیں مچھ کچھ باراہ اوتار سنمکھ ہوئے۔ کہیں پرس رام، کہیں باون روپ، کہیں ہرناکس اور نرسنگھ، کہیں رام لچھمن، سیتا سامنے آئے۔ کہیں راون اور لنکا کا بکھیڑا سارے کا سارا دکھائی دینے لگا۔ کہیں کنھیا جی کا جنم اشٹمی ہونا اور باسدیو کا گوکل لے جانا اور ان کا اس رُوپ سے بڑھ چلنا، اور گائیں چرانی اور مرلی بجانی اور گوپیوں سے دھومیں مچانی اور رادھا کا رس، کُبجا کا بس کر لینا، کہیں بنسی بٹ چیر گھاٹ، بندرابن، کریل کی کنج، سیوا کنج، برسانے میں رہنا اور اُس کنھیا سے جو جو کچھ ہوا تھا سب کا سب جیوں کا تیوں آنکھوں میں آنا اور دوارکا میں جانا اور وہیں سونے کے گھر بنانا اور پھر برج کو نہ آنا اور سولہ سو گوپیوں کا تلملانا سامنے آگیا۔ ان گوپیوں میں سے اودھو کا ہاتھ پکڑ کر ایک گوپی کے اس کہنے نے سب کو رُلا دیا۔ جو اس ڈھب سے بول کے رُندھے ہوئے جی کو کھولتی تھی۔ کبت:

جب چھانڑ کریل کی کنجن کوں، ہری دوارکا جیوں ماں جائے بسے
کل دھوت کے دھام بنائے گھنے، مہراجن کے مہاراج بھئے
تج مور مکٹ ارد کا مریا کچھو اور ہی ناتے جور لئے
دھرے رُوپ نئے، کیے نیہہ نئے، اور گیاں چرائیو بھول گئے

لچھا پنا گھاٹوں کا

جتنے گھاٹ دونوں راج کی ندیوں میں تھے، پکی چاندی کے تھکے سے ہو کر لوگوں کو ہکا بکا کر رہے تھے۔ نواڑے، بھولیے، بجرے، لچکے، مور پنکھی، سونا مکھی، سیام سندر، رام سندر اور جتنی ڈھب کی ناویں تھیں، ستھرے رُوپ سے سجی سجائی، کسی کسائی، سو سو لچکے

کھاتیاں، آتیاں، جاتیاں لہراتیاں پڑی پھرتیاں تھیں۔ان سب پر یہی گوئے، کنچنیاں، رام جنیاں اور ڈومنیاں کھچا کھچ بھری، اپنے اپنے کرتب میں ناچتی گاتی بجاتی، کودتی پھاندتی دھومیں مچاتیاں، انگڑاتیاں، جمہاتیاں، انگلیاں نچاتیاں اُدھلی پھرتیاں تھیں۔اور کوئی ناؤ ایسی نہ تھی جو سونے روپے کے پتروں سے منڈھی ہوئی اور اساوری سے ڈھکی ہوئی نہ ہو، اور بہت سی ناؤوں پر ہنڈولے بھی اسی ڈھب کے ان پر گائنیں بیٹھی جھولتی ہوئی سوہلے، کدارے اور باگیسری، کانھڑے میں گارہی تھیں۔

دل بادل ایسے نواڑوں کے سب جھیلوں میں بھی چھارہے تھے۔

آ پہنچنا کنور اوُدے بھان کا بیاہ کے ٹھاٹھ کے ساتھ دُلہن کی ڈیوڑھی پر

اس دُھوم دھام کے ساتھ کنور اُودے بھان سہرا باندھے جب دلہن کے گھر تلک آن پہنچا اور جو ریتیں ان کے گھرانے میں ہوتی چلی آتیاں تھیں، ہونے لگیاں۔مدن بان، رانی کیتکی سے ٹھٹھولی کر کے بولی:

''اب سکھ سمیٹیے، بھر بھر جھولی! سر نہوڑائے کیا بیٹھی ہو؟ آؤ نہ ٹک ہم تم مل کے جھروکوں سے اُنھیں جھانکیں۔''

رانی کیتکی نے کہا:

''نہ ری ایسی نلجی باتیں ہم سے نہ کر۔ایسی کیا پڑی، جو اس گھڑی ایسی کڑی جھیل کر، ریل پیل کر، اُبٹن اور تیل پھلیل بھرے ہوئے ان کے جھانکنے کو جا کھڑی ہوں۔''

مدن بان اُس رُکھائی کو اُڑن گھائی کی انٹیوں میں کر بولی۔

دوہے اپنی بولی کے:

یوں تو دیکھو واچھڑے، جی واچھڑے جی واچھڑے
ہم سے اب آنے لگی ہیں، آپ یوں مُہ سے کڑے
چھان مارے بن کے بن، تھے آپ نے جن کے لئے
وہ ہرن، جو بن کے مدھ میں ہیں بنے دُولہا کھڑے
تم نہ جاؤ دیکھنے کو جو انہیں کچھ بات ہے
جھانکنے کے دھیان میں ہیں اُن کے سب چھوٹے بڑے
ہے کہاوت ''جی کو بھاوے، یونہی پر مُنڈیا ہلائے''
لے چلیں گے آپ کو، ہم ہیں اسی دُھن پر اڑے

سانس ٹھنڈی بھر کے رانی کیتکی بولی: ''یہ سچ سب تو اچھا کچھ ہوا، پر اب بکھیڑے

میں پڑے۔"

واری پھیری ہو مدن بان کا رانی کیتکی پر، اور اُس کی باس سونگھنا اور اُنیندے پن سے اُونگھنا

اس گھڑی کچھ مدن بان کو رانی کیتکی کے مانجھے کا جوڑا اور بھینا بھینا پن اور انکھڑیوں کا لجیانا اور بکھرا بکھرا جانا بھلا لگ گیا۔ تو رانی کیتکی کی باس سونگھنے لگی اور اپنی آنکھوں کو ایسا کر لیا، جیسے کوئی اُونگھنے لگتا ہے۔ سر سے لگا پاؤں تک جو واری پھیری ہو کے تلوے سہلانے لگی۔ تب رانی کیتکی جھٹ سے دھیمی سی سسکی لچکے کے ساتھ لے اُٹھی۔

مدن بان بولی:

"میرے ہاتھ کے ٹھوکے سے وہ ہی پاؤں کا چھالا دُکھ گیا ہو گا، جو ہرنوں کی ڈھونڈ ڈھانڈ میں پڑ گیا تھا۔"

ایسی دُکھتی چٹکی کی چوٹ سے مسوس کر رانی کیتکی نے کہا:

"کانٹا اڑا تو اڑا، اور چھالا پڑا تو پڑا، پر نگوڑی تو کیوں میری پیچھالا ہوئی۔"؟

سَراہنا رانی کیتکی کے جُوبن کا

رانی کیتکی کا بھلا لگنا، لکھنے پڑھنے سے باہر ہے۔ وہ دونوں بھوؤں کی کچھاوٹ، اور پتلیوں میں لاج کی سماوٹ اور نکیلی پلکوں کی رُنداہٹ اور ہنسی کی لگاوٹ، دنتڑیوں میں مسی کی اُداہٹ اور اتنی بات پر رکاوٹ سے ناک اور تیوری چڑھا لینا اور سہیلیوں کو گالیاں دینا، اور چل نکلنا، اور ہرنوں کے روپ سے کر چھالیں مار کر پڑے اچھلنا، کچھ کہنے میں نہیں آتا۔

سَراہنا کُنور جی کے جُوبَن کا

کُنور اُودے بھان کے اچھے پنے میں کچھ چل نکلنا، کس سے ہو سکے؟ ہوے رے! اُن کے اُبھار کے دنوں کا سُہاتا پن اور چال ڈھال کا اچھن بچھن، اٹھتی ہوئی کونپل کی پھبن اور مکھڑے کا گدرایا ہوا جوبَن، جیسے بڑے تڑکے ہرے بھرے پہاڑوں کی گود سے سورج کی کرن نکل آتی ہے، یہی روپ تھا۔ ان کی بھیگتی مسوں سے رس کا ٹپکا پڑتا، اور اپنی پرچھائیں دیکھ کر اکڑنا، جہاں جہاں چھانہہ تھی اُس کا ڈول ٹھیک ٹھاک ان کے پاؤں تلے جیسے دھوپ تھی۔

دُولہا اُودے بھان کا سنگاسن پر بیٹھنا

دُولہا اُودے بھان سنگاسن پر بیٹھا، اور اِدھر اُدھر راجا اندر اور جوگی مہندر گرجم گئے اور دولہا کا باپ اپنے بیٹے کے پیچھے مالا لیے، کچھ کچھ گنگنانے لگا اور ناچ لگا ہونے اور

اُدھر میں جو اُڑن کھٹولے اندر کے اکھاڑے کے تھے، سب کے سب اُسی روپ سے چھت باندھے ہوئے تھر کا کیے۔ مہارانیاں دونوں سمدھنیں بن کے آپس میں ملیاں جلیاں اور دیکھنے دا کھنے کو کوٹھوں پر چندن کے کواڑوں کے اڑ تکوں میں آبیٹھیاں سانگ، سنگت، بھنڈ تال، رہس ہونے لگا۔ جتنے راگ اور راگنیاں تھیں: ایمن کلیان، سدھ کلیان، جھونتی، کانھڑا، کھماچ، سوہنی، پرج، بہاگ، سوہرٹ، کالنگڑا، بھیروی، کھٹ للت، بھیروں، روپ پکڑے ہوئے سچ مچ کے جیسے گانے والے ہوتے ہیں، اُسی روپ سے اپنے اپنے سمیں پر گانے لگے اور گانے لگیاں۔ اس ناچ کا جو بھاؤ تاؤ رچاوٹ کے ساتھ ہوا، کس کا منھ جو کہہ سکے۔؟ جتنے مہاراجا جگت پرکاس کے سکھ چین کے گھر تھے مادھوبلاس، رس دھام، کشن نواس، مچھی بھون، چندر بھون، سب کے سب لپے لپیٹے اور سچے موتیوں کی جھالریں اپنی اپنی گانٹھ میں سمیٹے ہوئے ایک پھبن کے ساتھ متوالوں کے روپ سے جھوم جھوم، بیٹھنے والوں کے منھ چوم رہے تھے۔

بیچوں بیچ ان سب گھروں کے ایک آرسی دھام بنایا تھا جس کی چھت اور کواڑ اور آنگن میں آرسی چھٹ کہیں لکڑی اینٹ پتھر کی پُٹ ایک انگلی کے پورے بھر نہ تھی۔ چاندنی کا جوڑا پہنے ہوئے، چودھویں رات جب گھڑی چھ ایک رات رہ گئی، تب رانی کیتکی سی دُلہن کو اسی آرسی بھون میں بٹھا کر دولہا کو بُلا بھیجا۔

کنور اُودے بھان کنہیا بنا ہوا سر پر مکٹ دھرے سہرا باندھے اُسی تڑاوے اور جمگھٹ کے ساتھ چاند سا مکھڑا لیے جا پہنچا۔ جس جس ڈھب سے بامھن اور پنڈت کہتے گئے اور جو جو مہاراجوں میں ریتیں ہوتی چلی آتیاں تھیں، اُسی ڈول سے اُسی روپ سے بھونری گٹھ جوڑا سب کچھ ہو لیا۔

دُوہے اپنی بولی کے:

اب اُودے بھان اور رانی کیتکی دونوں ملے
آس کے جو پھول کمھلائے ہوئے تھے پھر کھلے
چین ہوتا ہی نہ تھا، جس ایک کو اُس ایک دن
رہنے سہنے سو لگے، آپس میں اپنے رات دن
اے کھلاڑی! یہ بہت تھا کچھ نہیں تھوڑا ہوا
آن کر آپس میں جو دونوں کا گٹھ جوڑا ہوا
چاہ کے ڈوبے ہوئے، اے میرے داتا! سب تریں
دن پھرے جیسے انھوں کے، ویسے سب کے دن پھریں

وہ اُڑن کھٹولے والیاں جو اُدھر میں چھت باندھے ہوئے تھرک رہی تھیں، بھر بھر جھولیاں اور مُٹھیاں ہیرے اور موتیوں سے نچھاور کرنے کے لئے اُتر آئیاں اور اُڑن کھٹولے جیوں کے تیوں اُدھر میں چھت باندھے ہوئے کھڑے رہے۔ دُولہا دُلہن پر سے ساتھ ساتھ پھیرے واری پھیری ہونے میں پس پس گیاں اور ان سبھوں کو ایک ہچکی (ا) سی لگ گئی۔

راجا اندر نے دُلھن کی منھ دکھائی میں ایک ہیرے کا اکڈال چھپر کھٹ اور ایک پیڑھی پکھراج کی دی اور ایک پارجات کا پودھا، جس سے جو پھل مانگیے سو ہی ملے، دُلھن کے سامنے لگادیا۔ اور ایک کام دھین گائے کی پٹھیا بھی اس کے نیچے باندھ دی اور اکیس لونڈیاں اُنھیں اُڑن کھٹولے والیوں میں سے چُن کے اچھی سے اچھی، ستھری سے ستھری گاتی بجاتیاں، سیتی پروتیاں، سگھڑ سے سگھڑ سونپیں۔ اور اُنھیں کہہ دیا:

"رانی کیتکی چھٹ اُن کے دُولہا سے کچھ بات چیت نہ رکھیو! تمہارے کان پہلے ہی مروڑے دیتا ہون، نہیں تو تم سب کی سب پتھر کی مورتیں بن جاؤ گی اور اپنا کیا آپ پاؤ گی۔"

اور گسائیں مہندر گر جی نے باون تولے پاؤ رتی جسے کہتے ہیں، اور سنتے ہیں، اُس کے اکیس منکے آگے رکھے اور کہا:

"یہ بھی ایک کھیل ہے، جب چاہیے تو بہت سا تانبا گلا کے ایک اتنی سی چٹکی چھوڑ دیجئے گا، کنچن ہو جائے گا۔"

اور جوگی جی نے یہ سبھوں سے کہہ دیا:

"جو لوگ ان کے بیاہ میں جاگے ہیں ان کے گھروں میں چالیس دن، چالیس رات سونے کی ٹڈیوں کے رُوپ میں ہُن برسیں، اور جب تک جئیں، کسی بات کو پھر نہ ترسیں۔"

نو لاکھ ننیانوے گائیں سونے روپے کی سنگوٹیوں کی، جڑاؤ گہنا پہنے ہوئے، گھنگھرو جھنجھناتیاں، بامھنوں کو دان ہوئیں۔ اور سات برس کا پیسا سارے راج کو چھوڑ دیا گیا۔ بائیس سے ہاتھی اور چھتیس سے اونٹ روپوں کے توڑے لدے ہوئے لٹا دیے۔ کوئی اس بھیڑ بھاڑ میں دونوں راج کا رہنے والا ایسا نہ رہا، جس کو گھوڑا جوڑا، روپوں کا توڑا، سونے کے جڑاؤ کڑوں کی جوڑی نہ ملی ہو۔

اور مدن بان چھٹ دُولھا دُلہن کے پاس کسی کا ہواؤ نہ تھا، جو بن بُلائے چلی جائے۔ بن بلائے دوڑی آئے تو وہی آئے اور ہنسائے تو وہی ہنسائے۔

رانی کیتکی کو چھیڑنے کو ان کے کنور اُدے بھان کو "کنور کیوڑا جی" کہہ کے پکارتی تھی اور اسی بات کو سو سو روپ سے سنوارتی تھی۔

دوہے اپنی بولی کے:

گھر بسا جس رات اُنھوں کا، تب مدن بان اُس گھڑی
کہہ گئی دُولھا دُلھن کو ایسی سو باتیں ..... کڑی
باس پاکر کیوڑے کی کیتکی کا .....جی کھلا
سچ ہے، ان دونوں جنوں کو اب کسی کی کیا پڑی!
کیا نہ آئی لاج کچھ اپنے پرائے کی؟ .....اجی،
تھی ابھی اُس بات کی ایسی بھلا کیا ہڑبڑی
مسکرا کر تب دُلھن نے اپنے گھونگھٹ سے کہا
"موگرا سا ہو کوئی، کھولے جو تیری گلجھڑی
جی میں آتا ہے ترے ہونٹوں کو مل ڈالوں ابھی
بل بے، اے رنڈی، ترے دانتوں کی مِسّی کی دَھڑی"

☆☆☆

ڈاکٹر شریف احمد قریشی کی مطبوعات

1. فرہنگِ روحِ نظیر	1989	Rs 60
2. فرہنگِ نظیر	1991	Rs 200
3. فرہنگِ فسانۂ آزاد اور اس کا عمرانی لسانیاتی مطالعہ	2000	Rs 500
4. دیدو بازدید (تنقیدی تبصروں کا مجموعہ)	2002	Rs 200
5. کہاوتیں اور ان کا حکایتی و تلمیحی پس منظر	2003	Rs 225
6. कहावत कथा कोश (हिन्दी)	2005	Rs 250
7. تلمیحاتِ نظیر اکبرآبادی (مع شخصیات)	2006	Rs 375
8. رانی کیتکی کی کہانی کی فرہنگ	2008	Rs 300
9. رام پور میں اُردو افسانہ	2009	Rs 400
10. رانی کیتکی کی کہانی (مقدّمہ) (اشاعتِ اوّل)	2010	Rs 40
11. تیسری آنکھ (شعری مجموعہ)	2010	Rs 160
12. کہاوت اور حکایت	2011	Rs 600
13. باقیاتِ کلامِ صابر رام پوری	2012	Rs 80
14. چراغ تلے اندھیرا (باتصویر بچّوں کی کہاوتوں کا مجموعہ)	2013	Rs 200
15. رام پور کے چند قلم کار (حصّہ اوّل)	2016	Rs 400
16. فن اور فنکار (مجموعۂ مضامین)	2016	Rs 400
17. टेड़ी खीर (सचित्र बाल कहावत संग्रह) (हिन्दी)	2017	Rs 200
18. رانی کیتکی کی کہانی (مقدّمہ) (اشاعتِ دوم)	2017	Rs 75

ڈاکٹر شریف احمد قریشی کی دیگر زیرِ طبع وزیرِ ترتیب کتب

- اُردو کہاوتوں کی جامع فرہنگ (تحقیقی مقالہ برائے ڈی۔لٹ۔ڈگری)
- فرہنگِ فسانۂ عجائب
- آواز (ریڈیائی نشریات کا مجموعہ)
- رام پور میں اُردو چہار بیت
- ماہِ کامل (شعری مجموعہ ڈاکٹر حشمت اللہ لاری کامل)
- محمد علی جوہر : ایک کثیر الجہت شخصیت
- کلام سعید (شعری مجموعہ قاضی سعید الدّین چشتی قادری)
- غیر فرہنگی لغت
- پتھروں کی دنیا (شعری مجموعہ)
- کہاوت اور کتھا (ہندی)
- فرہنگِ تلمیحات
- نشیب و فراز (خودنوشت)
- اے ہندی-ہندی-انگلش-اُردو ڈکشنری
- فنکار اور فنکاری (تحقیقی و تنقیدی مقالات و مضامین کا مجموعہ)
- فرہنگِ ریختی
- کلیدی خطبات
- شاعرِ چہار بیت قمر رام پوری اور اُن کا کلام

ڈاکٹر شریف احمد قریشی کی شخصیت و جہات سے متعلّق کتب

❋ ڈاکٹر شریف احمد قریشی بحیثیت فرہنگ نویس مُرتّب: ڈاکٹر ناصر پرویز

صدر شعبۂ اُردو، عبدالرزّاق پوسٹ گریجویٹ کالج، جویا، ضلع امروہہ

طبعِ اوّل 2015 قیمت: 300

❋

❋ ڈاکٹر شریف احمد قریشی : شخص اور شاعر مرتّبہ: ڈاکٹر اسما عزیز

صدر شعبۂ اُردو، ایم.ایچ. پوسٹ گریجویٹ کالج، مُرادآباد (زیرِ اشاعت)

❋

ڈاکٹر شریف احمد قریشی کی شخصیت و جہات

سے متعلّق

ادبا، نقّاد اور محقّقین کے مضامین کا مجموعہ

ڈاکٹر شریف احمد قریشی: حیات و جہات

(زیرِ ترتیب)

رابطہ کے لیے پتے :

1. رائی بکھ ڈپو، 734 اولڈ کٹرا، الٰہ آباد، 211002
2. کوہِ نور پُستک سدن، عیدگاہ گیٹ، رام پور، 244901
3. ڈاکٹر اسما عزیز، صدر شعبۂ اُردو، ایم.ایچ. پی..جی. کالج، مرادآباد، 244001
4. ڈاکٹر ناصر پرویز، بازار ترپولیہ، امروہہ، 244221
5. ڈاکٹر حشمت اللہ لاری، میر انیس لائبریری، صدر بازار، گھاٹم پور، ضلع کان پور، 209206

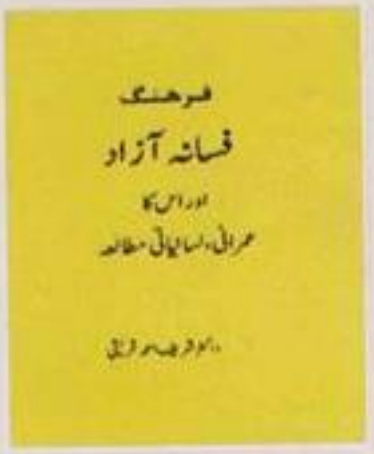

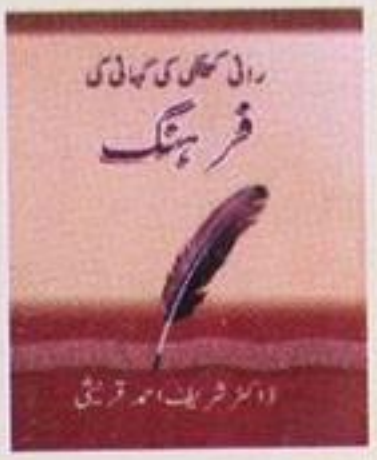

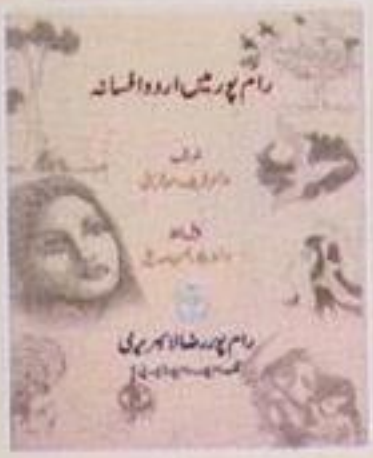

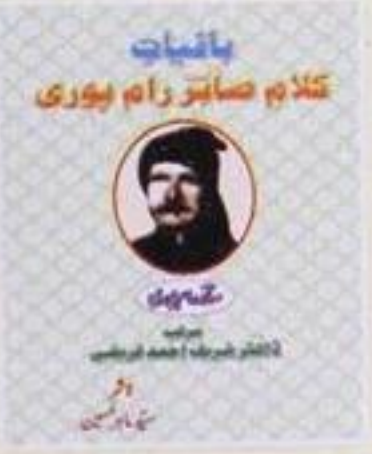

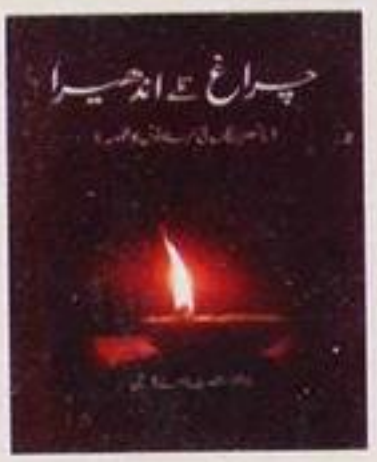

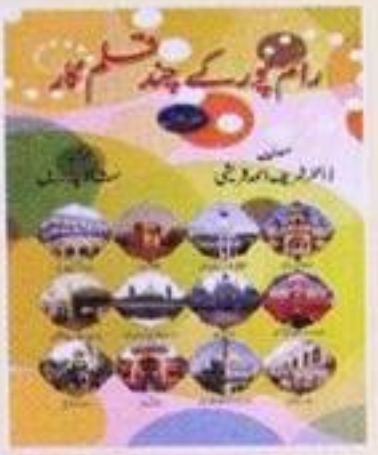

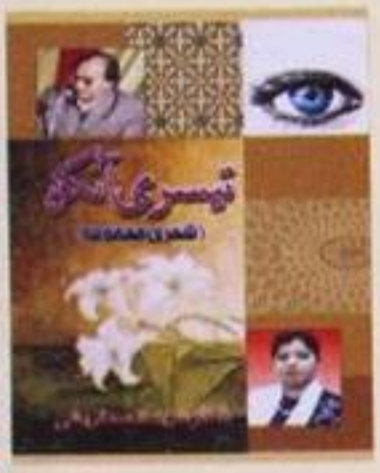

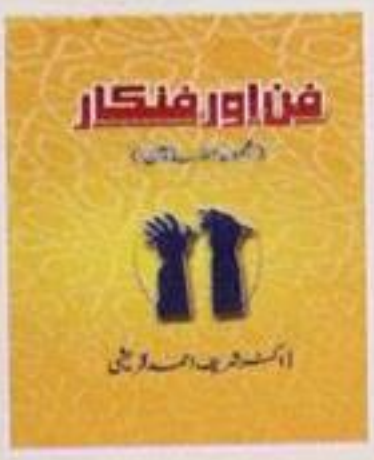

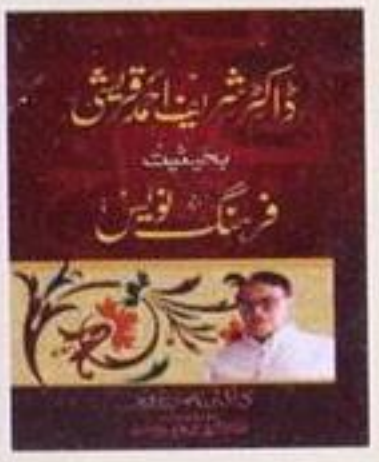

ISBN No. : 81-87763-65-5

اسلامک ونڈرس بیورو
۲۶۶۰-کوچہ چیلان، دریا گنج، نئی دہلی ۲ (الہند)
Ph. : 011-23263996, 09350334143, Email : razaprintology@gmail.com